مئی ۲۰۰۷ء
جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)

www.imamahmadraza.net

ماہنامہ
معارفِ رضا
کراچی

مسلسل اشاعت کا ستائیسواں سال
جلد: ۲۷ شمارہ: ۵
مئی ۲۰۰۷ء / ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون: +92-21-2725150 فیکس: +92-21-2732369
ای۔میل: mail@imamahmadraza.net ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

فہرست

''مقالہ نگار حضرات اپنی نگارشات ہر انگریزی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک ہمیں بھیج دیا کریں، مقالہ تحقیقی، مع حوالہ جات ہو، ۵ صفحات سے زیادہ نہ ہو، کسی دوسرے جریدہ یا ماہنامہ میں شائع شدہ نہ ہو۔ اس کی اشاعت کا فیصلہ ادارہ کی مجلسِ تحقیق و تصنیف کرے گی۔'' (ادارتی بورڈ)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

کہتی تھی یہ بُراق سے اُس کی سبک روی
یوں جائیے کہ گردِ سفر کو خبر نہ ہو

ایسا گمادے ان کی وِلا میں خدا ہمیں
ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

آ دِل حرم کو روکنے والوں سے چھپ کے آج
یوں اٹھ چلیں کہ پہلو و بر کو خبر نہ ہو

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

ان کے سوا رضاؔ کوئی حامی نہیں جہاں
گزرا کرے پسر پہ پدر کو خبر نہ ہو

در منقبت حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبد القادر
سرِّ باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبد القادر

مفتیِ شرع بھی ہے قاضیِ ملت بھی ہے
علمِ اسرار سے ماہر بھی ہے عبد القادر

منبعِ فیض بھی ہے مجمعِ افضال بھی ہے
مہرِ عرفاں کا منور بھی ہے عبد القادر

قطبِ ابدال بھی ہے محورِ ارشاد بھی ہے
مرکزِ دائرۂ سر بھی ہے عبد القادر

سلکِ عرفاں کی ضیا ہے یہی دُرِ مختار
فخرِ اشباہ و نظائر بھی ہے عبد القادر

اس کے فرمان ہیں سب شارح حکم شارع
مظہر ناہی و آمر بھی ہے عبد القادر

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر

رشکِ بلبل ہے رضؔا لالہ صد داغ بھی ہے
آپ کا واصف و ذاکر بھی ہے عبد القادر

اپنی بات۔ ا

تعلیمات رضا کے فروغ میں صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کی خدمات

﴿پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کے قلم سے﴾

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کو قائم ہوئے الحمدللہ ۲۷ برس ہو چکے ہیں اور تسلسل کے ساتھ یہ ادارہ تعلیمات رضا کے فروغ میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ ادارہ وہی کامیابی سے ہمکنار رہتا ہے جب تک اس ادارہ میں مخلص افراد موجود ہوں اور وہ ایثار و اخلاص کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہیں۔ الحمدللہ ادارہ کو اوّل دن ہی سے ایک مخلص جماعت میسر آئی جن میں حضرت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، حضرت علامہ شمس بریلوی صاحب (م ۱۹۹۴)، حضرت علامہ سید ریاست علی قادری (م ۱۹۹۲ء) علیہما الرحمۃ کے نام انتہائی قابل قدر ہیں لیکن حضرت صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری کے بغیر ادارہ کی وجاہت مدّہم نظر آتی ہے۔ آپ نے جب سے ادارہ کی صدارت کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لی ہے اسی وقت سے آپ نے ادارہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ بالخصوص جب ۱۹۹۷ء میں آپ نے حبیب بینک سے ریٹائرمنٹ لی اس دن سے آج تک جس محنت اور جانفشانی سے آپ ادارہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں یہ ایک غیر معمولی اور قابلِ تقلید کارنامہ ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ انسان ایک دو سال تو فی سبیل اللہ خدمت کر سکتا ہے مگر مسلسل بغیر کسی معاوضہ کے اپنی صحت کو داؤں پر لگا کر جس طرح آپ ادارہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس کی مثال گذشتہ ۲۷ سال سے میں نے کسی فرد میں شاذ ہی دیکھی۔ سب کا اپنا اپنا بہت اہم کردار ہے مگر حقیقتاً آپ نے نام کی لاج رکھی کہ اللہ نے وجاہت نام سے دنیا میں معروف کیا اور آپ نے اپنے کام سے ادارہ کی وجاہت قائم کی۔

صاحبزادہ وجاہت رسول قادری صاحب کے اگر تمام ماہانہ/ سالانہ معارف رضا کے پیش لفظ/ اداریے جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے جس میں مختلف جہتوں میں لکھے گئے مقالات کا حسین امتزاج ملتا ہے اور ساتھ ہی صحافتی ادب کا نیا اسلوب بھی نظر آتا ہے۔ اگر خطبۂ استقبالیہ کو جمع کیا جائے تو امام احمد رضا کے مختلف پہلوؤں پر مقالات کا ایک انفرادی مجموعہ نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ بیسوں دیگر عنوانات پر مقالات اور تحریر آپ کے علم اور مخصوص اسلوبِ تحریر کی جولانیاں بکھیرتی نظر آتی ہیں۔

صاحبزادہ صاحب روزانہ ۱۱-۱۲ بجے ادارہ تشریف لے آتے ہیں اور شام تک ادارہ میں رہتے ہیں جس کے دوران ان کا رابطہ ملک پاکستان کے تمام شہر کے اسکالر سے رہتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے وہ اسکالر جو امام احمد رضا پر تحقیق میں مصروف ہیں ان سے موبائل فون کے ذریعہ رابطہ رہتا ہے آپ کی کاوشوں کے

باعث بیشتر اسکالر نے امام احمد رضا پر تحقیق کے لئے قدم اٹھایا ہے بہت سے سند لے کر کامیاب ہو چکے ہیں۔ بہتیرے اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ یقیناً یہ آپ کے لئے دنیا اور آخرت میں صدقہ جاریہ رہے۔

ادارہ کے تمام محبین یہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ پچھلے ۲۰۔۲۵ دنوں سے وجاہت رسول قادری صاحب کے فون نہیں آرہے ہیں اور وہ کسی سے رابطہ نہیں کر رہے ہیں۔ تو بات دراصل یہ ہے کہ عین ۱۲ ربیع النور کی رات کو آپ کی اہلیہ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی صبح ہوتے ہی قریبی اسپتال میں دکھایا مگر افاقہ نہ ہوا۔ شام تک آغا خان ہسپتال لائے معلوم ہوا کہ پیٹ میں تکلیف ہے۔ ڈاکٹر شفٹ کر رہے تھے کہ دوسری رات اچانک طبیعت بہت بگڑ گئی معلوم ہوا کہ السر پھٹ گیا ہے جس کے باعث زہر جسم میں پھیل گیا مگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا کرم رہا کہ فوراً آپریشن کر کے پیٹ صاف کر دیا گیا اس طرح اللہ نے دوسری زندگی عطا کی مگر ابھی بھی طبیعت اطمینان بخش نہ ہوئی کیوں کہ ۳ روز تک آپ کی سانس خود سے نہیں آئی بلکہ مشین کے ذریعہ سانس کا عمل جاری رکھا گیا۔ یہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا کرم ہے کہ آپ کی سانس بحال ہوئی۔ ۷/اپریل کو اہلیہ کی طبعت کی ناسازی کے باوجود حسب پروگرام میلادالنبی ﷺ کی محفل آپ کے گھر پر منعقد ہوئی کیونکہ اہلیہ نے فرمایا کہ میری وجہ سے یہ مبارک محفل ہرگز ملتوی نہ کریں۔ اس محفلِ سعید میں علامہ پرفیسر ریاض احمد بدایونی صاحب نے میلاد کے موضوع پر خطاب کیا اور آخر میں تمام سامعین نے دل کی گہرائیوں سے آپ کی اہلیہ کی صحت کے لئے دعا کی۔ ابھی محفل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ صبح ۳ بجے اسپتال سے فون آیا کہ آپ کی اہلیہ کو دل کا شدید دورہ پڑا گیا قبلہ وجاہت رسول صاحب فوراً ہسپتال پہنچے ساتھ ہی آپ کے بھائی سیّد ریاست رسول قادری اور بچے بھی پہنچے۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا ہزار ہا کرم کہ آپ کی طبیت جلد ہی بحال ہوگئی اور تیزی سے صحت یابی کی طرف ہے الحمدللہ اہلیہ ۱۶/اپریل کو گھر تشریف لے آئیں۔ ڈاکٹر نے طویل آرام کے لئے کہا ہے۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ آپ سب سیّد صاحب کی اہلیہ کی صحت یابی کے لئے دعا کریں تاکہ وہ جلد صحت یاب ہو جائیں اور سیّد صاحب ایک دفعہ پھر اسی مستعدی سے ادارہ کی ذمہ داری پوری فرمائیں۔

قارئین کرام: خدمت ولی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ سیّد صاحب ایک ولی کامل کے مشن کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں یہ کب ممکن ہے کہ وہ ولی، اللہ کے بارگاہ میں آپ کے لئے دعا گو نہ ہو میرا تو ایمان ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی نظر سیّد صاحب پر پوری طرح رہتی ہے اور ان کی نظر کرم کے باعث ہی اللہ نے ان کی اہلیہ کو درد اور انتہائی پیچیدہ مرضوں سے جلد مکمل صحت یابی کی طرف گامزن کر دیا ہے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی ذات سے امید ہے آپ کو جلد مکمل صحت یابی مل جائے گی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سیّد صاحب کے مشن میں آپ کی اہلیہ محترمہ کی بھی بھرپور حمایت حاصل رہی ہے کہ انھوں نے اپنے وقت کو امام احمد رضا پر قربان کر دیا اور شوہر کو مکمل اجازت دی کہ آپ امام احمد رضا کے مشن میں مصروف رہیں۔

اللہ ان دونوں کو بہترین اجر اور صحت کاملہ کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

○ اپنی بات۔۲ ○

امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء

[قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
مارچ کی ۱۷ تاریخ کو امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں صدرِ ادارہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب نے جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، وہ ہم قارئین کرام کے افادے کے لیے پیش کر رہے ہیں اور ساتھ ہی کانفرنس کی روداد ادارے کے پریس سیکریٹری محمد افضل حسین صاحب کے قلم سے مرتبہ پیش کی جارہی ہے۔ مدیر]

خطبۂ استقبالیہ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ النبی الکریم

وعلی الہ وصحبہ وعلماء ملتہ الامین الفھیم

جنابِ صدر گرامی قدر! مہمانانِ خصوصی عظیم القدر!

حضراتِ مقالہ نگار محترم ومقتدر! حاضرینِ کرام وصاحبانِ علم ونظر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حافظ سخن بگوی کہ در صفحۂ جہاں

ایں نقش ماند از قلمت یادگارِ عمر

آج ہم سب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے ۸۸ ویں یوم وصال پر انہیں ان کے دینی، علمی اور ملّی کارناموں پر خراج تحسین پیش کرنے اور ملّتِ اسلامیہ کے لئے ان کی پیش کردہ تدبیرِ اصلاح وفلاح ونجات کے ابلاغ کے سلسلے میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کا جائزہ لینے کے لئے یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری آج کی اس فکری اور علمی مجلس کی حاضری اخلاص ومحبت کی حاضری ہے۔ جب اخلاص ومحبت کی بات چلی ہے تو مجھے اعلمِ کائنات سید عالم ﷺ کا ایک ارشاد یاد آرہا ہے جسے حضرت علامہ امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیف ''تاریخ التواریخ''، صفحہ ۲۰ پر نقل فرمایا ہے جو موقع ومحل کی مناسبت سے آپ کے بھی گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ عزوجل کے رسولِ مکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''جو اللہ کی رضا کی خاطر محبت کے ساتھ کسی ولی اللہ کا ذکر تاریخ میں کرے گا وہ قیامت کے دن میں اس ولی اللہ کا ہم درجہ ہوگا اور جو کسی ولی اللہ کے نام (اور کارناموں) کا محبت کے ساتھ تاریخ میں مطالعہ کرے گا تو گویا اس نے اللہ کے اس ولی کی زیارت کی''۔

اسی سے ملتی جلتی ''الاعلان بالتوبیخ'' (صفحہ ۷۰) میں بھی ایک روایت ہے کہ ''جس نے کسی مومن کا تذکرہ لکھا گویا اس نے اسے زندہ کیا اور جس نے کسی کا تذکرہ پڑھا گویا اس کی زیارت کی اور جس نے تذکروں کو زندہ کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔''

بالفاظ دیگر کلام الٰہی میں مذکور ''قصص الانبیاء'' کی پیروی میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والسلام، بالخصوص سید الانبیاء ﷺ، اولیاء کرام، آئمہ ومشائخ عظام اور علماء راسخ العلم کے تذکار کو عام کرنا علمی خدمت ہی نہیں بلکہ سنّتِ الٰہی پر عمل پیرا ہونا ہے، اس اعتبار سے آج کی محفل سجانے کا ہمارا یہ عمل ہمارے اور آپ سب کے لئے عبادت اور سامانِ بخشش بھی ہے۔ ان تذکروں سے ملت کے نوجوانون کی حرکی صلاحیتوں کو مہمیز ملتی ہے جس سے زندگی خوب سے خوب تر کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ چودھویں صدی ہجری میں مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی عبقری

شخصیت ان ہی ذوات قدسیہ کی یادگار اور باقیات الصلحت میں سے تھی۔

علامہ ابن عبدالبراندلسی علیہ الرحمۃ کا ایک مشہور قول ہے کہ:

''عالم بننا ہے تو کوئی ایک فن منتخب کرلو ادیب بننا ہے تو ہر فن سے موتی چن لو''۔ لیکن فاضل بریلوی ۱۳؍سال، دس ماہ اور ۵؍دن کی نازک سی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر جب درس و تدریس اور تحقیق و تصنیف کی مسند پر صدر نشیں ہوئے اور قلم و قرطاس کی امانت اپنے ہاتھوں میں سنبھالی تو انکی جامع العلوم شخصیت نے علامہ ابن عبدالبر کے اس قول کو غلط ثابت کر دکھایا۔

چنانچہ علماء حرمین شریفین جب ان کی تحقیقات علمی سے مستفید ہوئے تو بے ساختہ پکار اٹھے یہ امام الائمہ ہیں اور یہ اس لائق ہیں کہ ان کے حق میں یہ کہا جائے کہ ان جیسا جامع العلوم ان کے زمانے میں کوئی نہیں۔

امام احمد رضا کا کمال یہ ہے کہ ایک دستوری اور قلمی و علمی خاندان کا فرد ہونے کے باوجود اپنے خاندان کے مؤقر پیش رو عظیم علمائے اسلام کی بہ نسبت آپ نے تنِ تنہا وہ حیرت انگیز، تاریخ ساز اور ایسے عظیم علمی اور تصنیفی کارنامے اور خدمات انجام دیں کہ جس سے قرآنی فکر، اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و سنّت کو بے انتہا فروغ حاصل ہوا کہ جس سے آپ کے پیش روؤں کی مذہبی اور علمی خدمات پس منظر میں چلی گئیں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی پوری زندگی ۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء ایسے دور میں گذری جب مسلمانوں خصوصاً مسلمانانِ ہند کے لئے عظیم ابتلاء و آزمائش کا زمانہ تھا۔ ایک طرف انگریز نے ہندوستان کی اسلامی سلطنت پر قابض ہو کر مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کا ظلم و جبر کا سلوک روا رکھا تھا، دوسری طرف ہندوؤں کی نہ صرف طرف داری کی جا رہی تھی بلکہ مسلمانوں کے خلاف ان کی متعصّبانہ سرگرمیوں کو شہ دی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسلامیانِ برصغیر کے عقائد و معمولات میں بگاڑ کی مفسدانہ تحریکوں کی انگریزوں کی طرف سے کھلی سرپرستی کی جا رہی تھی اور اس کے لئے فرنگیوں کو مسلمانوں میں ہی سے ایسے صاحبانِ جبہ و دستار منکرینِ ختمِ رسالت اور شاتمانِ بارگاہِ نبوت میسر آ گئے تھے جس نے یہود و نصاریٰ کا ایک نکاتی ایجنڈا کہ:

ان کے بدن سے روح محمد ﷺ نکال دو

پر عمل درآمد آسان بنادیا تھا۔ مسلمانوں کی معیشت تباہ ہو چکی تھی، تعلیمی میدان میں بھی وہ بہت پیچھے رہ گئے تھے، مختلف قسم کی معاشرتی برائیاں اور بدعات ان میں رائج ہو گئی تھیں، صنعتی تجارتی اور معاشی وسائل پر ہندو اور انگریز قابض تھے، میڈیا کی سطح پر بھی مسلمان بہت پیچھے تھے۔ بین الاقوامی منظرنامہ پر مسلمانوں کی عظیم سلطنت ترکیہ یہود و نصاریٰ اور خود اپنوں کی سازشوں اور غداریوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ ان حالات سے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے مسلمان سخت مایوسی کا شکار تھے۔

ایسے مایوس کن حالات میں امام احمد رضا نے تحریکِ اصلاح و تجدید دین کا محاذ سنبھالا پھر ایک دانشِ نورانی کے ساتھ یہ خورشید علم و آگہی انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر تا بیسویں صدی عیسوی کے ربع اوّل افق ہند پر تابندہ و جلوہ بار رہا اور فقہی بصیرت اور مدبرانہ فراست کے ذریعہ ملت کے راہنمائی کا جو فریضہ انجام دیا وہ آپ کا ہی خاصہ تھا۔ اس کے اپنے بیگانے سبھی معترف ہیں۔ شخصی جامعیت، اعلیٰ اخلاقی کردار، ۵۵ سے زیادہ قدیم و جدید علوم و فنون میں کمالِ دسترس، تصانیف کی کثرت، فقہی بصیرت، احیائے سنت کی تڑپ، دینِ متین کی حفاظت و صیانت، شانِ الوہیت کی پاسبانی اور مقامِ مصطفیٰ کی نگہبانی میں ان کا قلم تلوارِ بے نیام تھا۔ آپ نے لوگوں کو بھولا سبق یاد دلایا، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا درس دے کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعام یافتہ اور احسان پروردہ بندوں کی راہ پر گامزن کیا۔ امام احمد رضا کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا رشتہ آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ سے دوبارہ جوڑ دیا اور اعلان کیا:

''انہیں جانو انہیں مانو، نہ رکھو غیر سے کام''

کیونکہ دنیا میں سلامت روی کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور اللہ

تبارک وتعالیٰ کے حضور ایمان کی دولت کے ساتھ حاضر ہونے کے یہی ایک ضمانت ہے:

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی، چراغ لے کے چلے

مسلمانوں کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی حالت سدھارنے کے لئے ''تدبیر فلاح ونجات و اصلاح'' کے نام سے ایک جامع چار نکاتی پروگرام پیش کیا جس میں بینکنگ اور فنانشل اداروں کے قیام سے لے کر بین الاقوامی مسلم مشترکہ منڈی کے قیام تک کی رہنمائی موجود ہے۔ اگر اس وقت مسلمان ان کی تعلیمات اور پروگرام پر عمل کر لیتے تو آج مسلم ممالک کا بلاک معاشی، اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور فوجی اعتبار سے اس قدر طاقتور ہوتا کہ ہمیں کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان، چیچنیا و بوسنیا کی تباہ کاریوں سے واسطہ نہ پڑتا۔

امام احمد رضا، علماء میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ۱۸۹۷ء میں پٹنہ کے ایک اجلاس میں دوقومی نظریہ کا تصور پیش کیا اور فرمایا کہ ''تبدیلِ احکام الرحمٰن اور اختراع احکام الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین یہود و نصاریٰ و دیگر دشمنانِ اسلام سے اتحاد توڑو، مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دامنِ پاک تمہیں سایہ میں لے، دنیا ملے نہ ملے، دین تو ان کی محبت میں ملے۔'' بعد میں آپ ہی کے ایک مخلص مولانا عبد القدیر بدایونی علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۵ء میں باقاعدہ تحریری طور پر گاندھی کے نام ایک کھلے خط میں پاکستان کا تصور پیش کیا اور اس کے حصول کی عملی صورت کی طرف رہنمائی کی۔

امام احمد رضا کثیر التصانیف تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے لیکن ان کے علم کا شاہکار ان کے فتاویٰ ہیں جو رضا فاؤنڈیشن، لاہور سے ۳۰ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کا ترجمۂ قرآن (اردو) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے شائع ہوا جو زبان و بیان کی خوبیوں کے اعتبار سے اردو زبان کا سب سے مقبول ترجمہ ہے۔ سلاست و روانی، شستگی، برجستگی، محاورات کا برمحل استعمال اس کی خصوصیات ہیں لیکن اس کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں شانِ الوہیت اور عظمتِ رسالت کی پاسداری کا خصوصی اہتمام ملتا ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ مسلم نوجوانوں کے لئے ایک جامع نظریۂ تعلیم پیش کیا ہے جس میں طلبا اور اساتذہ کی ذہنی، فکری اور جسمانی نمو اور ان کی تعلیمی اور تربیتی ضروریات کا ہر طرح سے لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان کے نظریات میں جدید دور کے ماہرینِ تعلیم کے افکار کی بڑی حد تک عکاسی ہے۔ گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جدید ماہرینِ تعلیم نے امام احمد رضا کے افکار سے استفادہ کیا ہے، آپ نے طلباء، اساتذہ اور صحافیوں کی فلاح کے لئے ایک دس نکاتی پروگرام بھی پیش کیا ہے۔

امام احمد رضا کی حیات اور کارناموں کا جب ایک غیر جانبدار شخص جائزہ لیتا ہے تو اسے حیرت ہوتی کہ ایسی عظیم نابغۂ روزگار شخصیت کے کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے اس کے شایانِ شان اہتمام نہیں کیا گیا حالانکہ ایسا عبقری وقت اگر دوسری قوم میں ہوتا تو وہ اس کی خاطر خواہ پذیرائی کرتی۔

انہی مقاصد کے حصول کے لئے ۱۹۸۰ء میں مولانا سید ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ کی زیرِ قیادت ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے اغراض و مقاصد مختصراً یہ ہیں:

۱۔ ہر سال امام احمد رضا کانفرنس کا اہتمام۔
۲۔ ہر سال رسالہ ''معارفِ رضا'' کا اجراء۔
۳۔ مذہبی، ادبی اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں امام احمد رضا بریلوی کو متعارف کرانا اور آپ کی تعلیمات کو عام کرنا۔
۴۔ امام احمد رضا کی تصانیف کا بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ و اشاعت کا انتظام و اہتمام کرنا۔
۵۔ امام احمد رضا پر دنیا کے مختلف حصوں میں ہونے والے انفرادی کاموں اور اداروں کے تحت تحقیقی کام کو مربوط کرنا۔
۶۔ جامعات کے اسکالرز کو امام احمد رضا کی شخصیت اور علمی کارناموں کی روشنی میں M.Phil، M.Ed اور PhD کے مقالات

تحریر کرنے کی ترغیب دینا اور ہر طرح ان محققین کی مدد کرنا۔

۷۔ عوام الناس کو اخبارات اور دیگر ابلاغ کے ذرائع سے تعلیماتِ رضا سے روشناس کرانا۔

الحمدللہ انہی مقاصد کی تکمیل میں ربع صدی کا سفر ہم نے بہت سی کامیابیون کے ساتھ طے کیا ہے اور امام احمد رضا کی حیات اور کارناموں پر نئے نئے زاویوں سے عالمی سطح کے مستند علماء اور اسکالرز سے تحقیقی و تصنیفی کام کروائے ہیں۔ اب تک دنیا کی ۳۵ سے زیادہ جامعات میں امام احمد رضا کے حوالے سے ۲۲ سے زیادہ پی۔ ایچ۔ ڈی ہو چکی ہیں اور ۱۲ پی۔ ایچ۔ ڈی کے تھیسس تکمیل کے مراحل میں ہیں، اسی طرح ۸؍ ایم۔ فِل ہو چکی اور دو زیرِ تکمیل ہیں اور ایم۔ ایڈ کی سطح پر مولانا احمد رضا کے تعلیمی نظریات پر ۱۳ مقالات منظور ہو چکے ہیں۔ ۱۴۷ کتب لاکھوں کی تعداد میں عرب و عجم میں شائع کی گئی ہیں۔ جامعات میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت و خدمات پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والے اور رضویات کے حوالے سے اہم تصنیفی کام اور تحقیقات کو آگے بڑھانے والے ۳۴؍ اسکالرز کو گولڈ میڈل سے نوازا جا چکا ہے۔ پاکستان کی مشہور جامعات اور لائبریریز کو اعلیٰ حضرت کی کتب فراہم کی گئیں۔ اس طرح ہم نے اعلیٰ حضرت کے سوزِ عشق اور جذبۂ مستی و فرزانگی کو اکنافِ عالم میں فروغ دے کر چراغ سے چراغ جلانے کی سعی و کاوش کی ہے۔

علامہ اقبالؔ نے غالباً امام احمد رضا کے اسی جذبۂ عشقِ صادق سے متاثر ہو کر یہ قطعہ کہا ہے۔

زرازی حکمتِ قرآں بیاموز
چراغے از چراغ او بر افروز
ولے ایں نکتہ را از من فرا گر
کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز

'حاضرین محترم! ''معارفِ رضا'' کی صورت میں ہم نے ''فکرِ رضا'' کے گلستان سجانے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے اس امید پر کہ ہمارے محترم قارئین کرام خود بھی چمنستان رضا کے پھولوں کی خوشبوؤں سے اپنی فکر کو معطر کریں اور دوسروں تک ان خوشبوؤں کی اٹھتی ہوئی لپیٹوں کو پہنچا کر ان کے دل و دماغ کو معطر کرنے کی بھی سعی فرمائیں۔ آپ معارف رضا کے ممبر خود بھی بنیں اور اپنے اعزاء و اقرباء اور دوستوں کو بھی اس کا ممبر بنا کر پیغام رضا کو گھر گھر پہنچائیں۔ اپنے اور اپنے پیاروں کے عقائد کی تعلیماتِ رضا کی روشنی میں اصلاح کریں، اصلاحِ معاشرہ کی مہم میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ زندگی کے ہر معاملے میں فکرِ رضا کو اپنا محور بنائیں کیونکہ اس دورِ ابتلاء میں نجات کی ایک ہی راہ ہے، اعلیٰ حضرت سے محبت اور ان کی تعلیمات پر عمل۔ اگر آپ تعلیم یافتہ نہیں ہیں تو خود مفید تعلیم کے حصول کی جدو جہد فرمائیں، اگر آپ تعلیم یافتہ ہیں تو اپنی اولاد، اپنے بھائی بہن، عزیز و اقارب، دوست احباب اور محلہ داروں کے بچوں اور بچیوں کی اعلیٰ حضرت کے تعلیمی نظریات کی روشنی میں مفید تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے میں مدد فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت کے مشنِ فروغِ علم نافع اور تحریک فروغِ عشقِ رسول ﷺ میں ہمارا بھرپور ساتھ دیں۔

۲۷ ویں امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی درج ذیل کتب شائع کر رہا ہے۔

۱۔ معارف رضا (سالنامہ) اردو۔
۲۔ معارف رضا (سالنامہ) عربی۔
۳۔ معارف رضا (سالنامہ) انگریزی۔
۴۔ امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خصوصیات۔ مصنف: مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری۔
۵۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی (مقالۂ ڈاکٹریٹ) مصنف ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ (زیرِ طبع)
۶۔ امام احمد رضا اور علماء کوٹلی لوہاراں۔ مصنف۔ پروفیسر مجیب احمد۔
۷۔ کنزالایمان اور دیگر تراجم (کتابچہ) مصنف: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔
۸۔ امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات پر نصاب کے حوالے سے کام کی رفتار۔ مصنف: ریسرچ اسکالر سلیم اللہ جندران۔ (زیرِ طبع)

۹۔ کتابچہ تعارف ادارہ۔ مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔

۱۰۔ امام احمد رضا بریلوی کے حالات، افکار اور اصلاحی کارنامے (سندھی پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ)۔ از: پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالباری صدیقی۔

۱۱۔ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء۔

12. Quran , Sciecn & Imam Ahmad Raza. By. Majeedullah Qadri.(زیرِ طبع)

مستقبل کے ''رضویات'' کے محققین کے لئے بہت سے نئے گوشے دعوت تحقیق دے رہے ہیں لیکن جوان میں اہم ترین ہیں وہ ہمارے خیال میں تین ہیں:

۱۔ امام احمد رضا کی ایک جامع مستند سوانح حیات کی اشاعت۔

۲۔ امام صاحب کی غیر مطبوعہ (مخطوطہ) کتب کی بازیابی اور عرب و عجم میں اس کی اشاعت۔

۳۔ فنون سے متعلق آپ کی کتب کی اشاعت اور متعلقہ اہل علم وفن کو ان کتب پر تحقیق و تدقیق کی دعوت۔

ہم اپنے ان تمام معاونین کے بھی تہہ دل سے شکر گذار ہیں کہ جن کے مالی تعاون کی بدولت امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد اور اس موقع پر ایک درجن کتب کی اشاعت ممکن ہوسکی بالخصوص محترم الحاج رفیق احمد برکاتی صاحب، الحاج عبدالمجید برکاتی صاحب، الحاج نثار احمد صاحب، الحاج عقیل ڈھیڈی صاحب، جناب سہیل سہروردی صاجب، جناب وسیم سہروردی صاحب، جناب ادریس سہر وردی صاحب، جناب الحاج حنیف جانو صاحب، جناب حاجی عبدالرزاق تابانی صاحب، جناب افضل حسین صاحب، محترم قاضی نورالاسلام شمس صاحب، سلمان صاحب، محترم حاجی اسلم مسعودی صاحب، محترم عرفان قادری صاحب، محترم شیخ محمد سہیل قادری رضوی صاحب کہ جنہوں نے سید عالم ﷺ کے عاشق صادق امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر جامعات کی سطح پر تحقیقی و تصنیفی کام کرنے والوں کے لئے روضۂ رسول مقبول ﷺ کی زیارت کا خصوصی اہتمام کیا چنانچہ انہوں نے امام احمد رضا پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والے پانچ خوش نصیب اسکالرز کو اس سال عمرہ کا ٹکٹ عطا کیا ہے۔ ان حضرات کو ادارہ کی طرف سے امام احمد رضا ریسرچ گولڈ میڈل ایوارڈ بھی دیا گیا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ علامہ مفتی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

عنوان: امام احمد رضا کی مکتوب نگاری

[بی۔ آر۔ امبیڈکر، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا]

۲۔ علامہ ڈاکٹر منظور احمد سعیدی

عنوان: علمِ حدیث میں امام احمد رضا کی خدمات

(سابق شیخ الحدیث، جامعہ حامدیہ رضویہ، کراچی)

[کراچی یونیورسٹی]

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق مدنی

عنوان: برصغیر کی سیاسی تحریکات میں فتاویٰ رضویہ کا حصہ۔ ایک تحقیقی جائزہ

(چیئر مین علومِ اسلامیہ، وفاقی اردو آرٹس و سائنس یونیورسٹی، کراچی)

[کراچی یونیورسٹی]

۴۔ ڈاکٹر محمد حسن امام

عنوان: امام احمد رضا اور ان کے خلفاء کا تحریک پاکستان میں کردار

(لیکچرار، شعبۂ علومِ اسلامیہ، وفاقی اردو آرٹس و سائنس یونیورسٹی، کراچی)

[کراچی یونیورسٹی]

۵۔ مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی

عنوان: الزلال الانقی من بحر سبقت الاتقی (للشیخ احمد رضا خاں)

(گورنمنٹ کالج، جہلم)

[پنجاب یونیورسٹی، لاہور]

اس کے علاوہ ہم محبِ اعلیٰ حضرت محقق رضویات حضرت علامہ مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب، چیئرمین مرکزِ اہلسنّت برکاتِ رضا، پوربندر، ہندوستان کے بھی ممنون ہیں کہ انہوں نے امام احمد رضا کانفرنس کے مہمانانِ گرامی خصوصاً مقالہ نگار حضرات کے لئے اور پاکستان کی جامعات کی لائبریری کے لئے کتب کے قیمتی تحفہ کے علاوہ دیگر تحائف بھی

بھیجے ہیں۔ واضح ہو کہ آپ بیسیوں کتب کے مصنف ہیں اور حال میں انہوں نے علامہ محمد عیسیٰ رضوی صاحب کی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی متعدد کتب سے مرتب کردہ سیرتِ رسول ﷺ پر ایک کتاب بعنوان ''سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ'' چار ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب حضرات کے خلوص اور مساعیِ جمیلہ کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور انہیں دین و دنیا کی بہتریاں بخشے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ان کارکنان کا ذکر نہ کریں جنہوں نے دن رات ایک کر کے معارف رضا کے سالنامہ اور دیگر کتب کی کمپوزنگ و پروف ریڈنگ کی، طباعت و اشاعت کے کاموں کی نگرانی کی اور دیگر دفتری کاموں میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ خاص طور پر ہمارے کمپوزر و انچارج ویب سائٹ، عزیزی عمار ضیا خاں قادری سلمہ الباری، نہایت ہی تندہی سے اپنے کام میں مشغول رہنے والے ہمارے نوعمر کمپوزر عزیزی مبشر خان سلمہ اللہ المنّان، اکاؤنٹنٹ اور کمپوزر جناب شاہنواز قادری، منیجر دفتر ادارہ جناب ندیم احمد نورانی معاون انچارج سرکولیشن ماہنامہ معارف رضا۔ محترم ریاض احمد صدیقی صاحب۔ ویب سائیٹ ڈیزائنر محترمہ عفیفہ صاحبہ ریسرچ اسکالر، جامعہ کراچی، شیخ زاید اسلامک سنٹر اور ان کے استادِ محترم سید غضنفر علی عاطفی صاحب۔ ہم ان سب کارکنانِ ادارۂ کے محنت، محبت اور لگن کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو بروقت ادا کرنے پر ان کے شکر گذار ہیں ساتھ ہی عمدہ طباعت و اشاعت کیلئے جناب خرم صاحب کے بھی ممنون ہیں۔ ہم پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سے منسلک تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے گذشتہ ایک ہفتہ سے ہماری کانفرنس کے حوالہ سے کوریج کی اور آج بھی ہماری اس محفل میں اپنی صحافتی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے تشریف فرما ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کارِ رضا میں مشغول ان تمام حضرات گرامی کو دین و دنیا کی بہترین نعمتوں سے نوازے آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

زِشوقِ لعلِ تو حافظ نوشت شعرِ چند
بخواں تو نظمش و در گوش کش چو مروارید

فروغِ تعلیم اور امتِ مسلمہ کے کامیاب مستقبل کے لئے

امام احمد رضا کا دس نکاتی پروگرام

۱۔ عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

۲۔ طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

۳۔ مُدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں۔

۴۔ طبائع طلبہ کی جانچ ہو، جس کے کام کو زیادہ مناسب دیکھا جائے، معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

۵۔ ان میں جو تیار ہو جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً و مناظرتاً اشاعتِ دین و مذہب کریں۔

۶۔ حمایتِ مذہب و ردِّ مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

۷۔ تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

۸۔ شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں، جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں آپ سرکوبیِ اعداء کے لئے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

۹۔ جو ہم میں قابلِ کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف دے کر فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو، لگائے جائیں۔

۱۰۔ آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں جو وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ: ''آخر زمانے میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا۔''

اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق ﷺ کا کلام ہے۔

﴿فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد نمبر۱۲، صفحہ ۱۳۳﴾

روئداد امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء

امام احمد رضا نے پوری زندگی عظمتِ مصطفیٰ کو اجاگر کیا۔ ناموسِ رسالت اور تحفظِ ختمِ نبوت کے لئے بے مثال کردار ادا کیا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کو امام احمد رضا کی فکری بنیاد پر عمل کر کے ہی بلند کیا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا بدعات کے شدت سے مخالف تھے۔

ستائیسویں انٹرنیشنل کانفرنس سے جنرل (ر) معین الدین حیدر، سید وجاہت رسول قادری، ڈاکٹر اخلاق احمد، ڈاکٹر غلام جابر شمس، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، پروفیسر مجیب احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی، ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی ودیگر کے خطاب کی جھلکیاں

(رپورٹ: محمد افضل حسین، پریس سیکریٹری،
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے تحت ۲۷ویں انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس، پاکستان آرٹس کونسل کے وسیع وعریض سبزہ زار میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا آغاز حسبِ معمول تلاوتِ کلامِ ربانی سے کیا گیا۔ آزاد کشمیر سے آئے ہوئے معروف قاری صاحب نے تلاوت کا شرف حاصل کیا جبکہ نوجوان نعت خوان محمد علی سہروردی صاحب نے اپنی مترنم آواز میں اعلیٰ حضرت کی ایک نعت کے چند اشعار پیش کئے۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سابق وفاقی وزیر داخلہ وگورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین الدین حیدر نے کہا کہ امام احمد رضا بدعات کے شدت سے مخالف تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد فروغِ عشقِ رسول ﷺ تھا۔ وہ تاحیات ان بدعات کا استیصال کرتے رہے جو خلافِ شریعت معاشرے میں رائج ہوگئی تھیں۔ امام احمد رضا کے نزدیک شریعتِ مصطفوی کے علاوہ تمام راہیں باطل ہیں۔ امام احمد رضا نے مروجہ بدعات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں نظر ڈالی اور جو خلافِ شریعت تھیں، ان بدعات کی شدت سے مخالفت کی بلکہ ان کے خلاف تحقیقی مقالات پیش کئے اور ضخیم کتب تصنیف کیں۔ جنرل معین الدین حیدر نے اپنے خطاب میں مزید کہا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کو امام احمد رضا کی فکری وعلمی بنیاد پر عمل کر کے ہی بلند کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم قوم کی زبوں حالی دور کرنے کے لئے امام احمد رضا کے پیش کردہ تدبیرِ فلاح ونجات واصلاح کے نکات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاشی، سیاسی اور علمی محاذ پر جدید دور کے سائنسی تقاضوں کے مطابق ترقی کی ضرورت ہے۔ صدر ادارہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امام احمد رضا نے ناموسِ رسالت اور تحفظِ ختم نبوت کے لئے بے مثال کردار ادا کیا۔ ان کی پوری زندگی ۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء ایسے دور میں گذری جب مسلمان خصوصاً مسلمانانِ ہند کے لئے عظیم ابتلاء وآزمائش کا زمانہ تھا۔ ایک طرف انگریز نے ہندوستان کی اسلامی سلطنت پر قابض ہوکر مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کے ظلم وجبر کا سلوک روا رکھا تھا، دوسری طرف ہندوؤں کی نہ صرف طرف داری کی جارہی تھی بلکہ مسلمانوں کے خلاف ان کی متعصبانہ سرگرمیوں کو شہ دی جارہی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسلامیانِ برصغیر کے عقائد ومعمولات میں بگاڑ کی مفسدانہ تحریکوں کی انگریزوں کی طرف سے کھلی سرپرستی کی جارہی تھی اور اس کے لئے فرنگیوں کو مسلمانوں میں ہی سے ایسے صاحبانِ جبّہ ودستار منکرینِ ختمِ رسالت اور شاتمانِ بارگاہِ نبوت میسر آگئے تھے جنہوں نے یہود ونصاریٰ کے ایجنڈے پر عمل درآمد آسان بنادیا تھا۔ مسلمانوں کی معیشت تباہ ہوچکی تھی، تعلیمی میدان میں بھی وہ

بہت پیچھے رہ گئے تھے، مختلف قسم کی معاشرتی برائیاں اور بدعات ان میں رائج ہوگئی تھیں، صنعتی، تجارتی اور معاشی وسائل پر ہندو اور انگریز قابض تھے، میڈیا کی سطح پر بھی مسلمان بہت پیچھے تھے۔ بین الاقوامی منظرنامہ پر مسلمانوں کی عظیم سلطنت ترکیہ یہود ونصاریٰ اور خود اپنوں کی سازشوں اور غداریوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوچکی تھی۔ ان حالات سے برصغیر کے مسلمان سخت مایوسی کا شکار تھے۔ ایسے مایوس کن حالات میں امام احمد رضا نے تحریکِ اصلاح وتجدیدِ دین کا محاذ سنبھالا۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر تا بیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں فقہی بصیرت اور مدبرانہ فراست کے ذریعہ ملت کی راہنمائی کا جو فریضہ انجام دیا وہ امام احمد رضا ہی کا خاصہ تھا، جس کی پوری ملت معترف ہے۔ شخصی جامعیت، اعلیٰ اخلاقی کردار، ۵۵ سے زائد قدیم وجدید علوم و فنون پر کمال دسترس، تصانیف کی کثرت، فقہی بصیرت، احیائے سنت کی تڑپ، دینِ متین کی حفاظت وصیانت، شانِ الوہیت کی پاسبانی اور مقامِ مصطفیٰ کی نگہبانی میں امام احمد رضا کا قلم تلوارِ بے نیام تھا۔ آپ نے لوگوں کو بھولا سبق یاد دلایا، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا درس دے کر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ اور احسان پروردہ بندوں کی راہ پر گامزن کیا۔ امام احمد رضا کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا رشتہ آقا ومولیٰ سید عالم ﷺ سے پختہ کیا۔ پرو وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی، پروفیسر ڈاکٹر اخلاق احمد صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اپنی کثیر تصانیف میں جہاں اسلامی، سیاسی افکار اور تنظیماتِ عامہ کو بیان کیا ہے وہاں عصرِ جدید کے تقاضوں کے مطابق ان افکار ونظریات کو مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ معاشرہ کی تشکیلِ نو کے لئے امام احمد رضا نے انگریز اور ہندوؤں کے رسم ورواج کا سختی سے رد کیا اور مسلمانوں کو دینی شعائر پر قائم رہنے کی تلقین کی ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو جدید تعلیم حاصل کرنے کی طرف بھی راغب کیا۔ ممبئی، انڈیا سے آئے ہوئے مہمان مقالہ نگار علامہ پروفیسر ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی اور مکتوبات کے حوالہ سے مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ امام احمد رضا کی شان، شانِ فقر ودرویشی ہے جو حکمرانِ وقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتی اور جس کی مثال بزرگانِ کاملین کی حیات وکردار میں ملتی ہے۔ نوابوں اور راجاؤں کی بات تو الگ، دیندار دوستوں کی نذر بھی امام احمد رضا نے قبول نہ کی۔ پروفیسر مجیب احمد (جامعہ پنجاب، لاہور) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امام احمد رضا کی سیاست، دین کے تابع تھی۔ آپ نے دوقومی نظریہ کا پرچار کیا اور مسلمانوں کی الگ تنظیم سازی پر زور دیا اور مسلمانوں کے خلاف جتنی سیاسی تحریکیں چلیں، انہوں نے شریعت کی رو سے اس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے دینی اور ملی تشخص کو ابھارنے اور اسے قائم رکھنے پر زور دیا۔ امام احمد رضا نے مسلمانوں کی نہ صرف سیاسی معاملات میں راہنمائی کی بلکہ معاشی ومعاشرتی ترقی کے لئے بھی چار نکاتی لائحہ عمل پیش کیا۔ جامعہ پنجاب کے اسکالر مولانا ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی نے اپنے مقالہ میں کتاب ''الزلال الانقیٰ'' کے ادبی، علمی اور فنی محاسن بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا کے عربی ادب پر عبور کا ذکر کیا اور واضح کیا کہ امام احمد رضا کی ہر عربی تصنیف نہ صرف عربی ادب کا شاہکار ہے بلکہ علومِ تفسیر وحدیث اور دیگر علوم وفنون کا بھی ایک قیمتی خزانہ ہے۔ اس کتاب میں بقول ڈاکٹر جلالی اعلیٰ حضرت نے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسئلہ کو دلائل وبراہین کے ذریعہ ثابت کیا ہے جس کی مثال اس موضوع پر لکھی ہوئی دوسری تصانیف میں کم ملتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تعظیم صحابہ پر یہ کتاب ایک انمول نادر تحفہ ہے جس کو دیکھ کر

محققین، اساتذہ اور طلباء کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سینٹر، کراچی، پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا مجددِ دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی مختلف علوم وفنون میں مہارت و دسترس، زورِ استدلال، اسلوبِ تحقیق، ذکاوت و تیزی اور ان کی تصانیف میں دلائل و براہین کے انبار کے انبار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں علوم وفنون کے ساتھ علم لدنی بھی حاصل تھا جس پر علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کا واقعہ اور ان کا تاثر شاہد و ناطق ہے کہ جس میں ریاضی کا ایک پیچیدہ مسئلہ جو کہ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ نے چند لمحوں میں حل کیا اور جس کے لئے ڈاکٹر ضیاء الدین جرمنی کا سفر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ صدر شعبۂ عربی، جامعہ کراچی، پروفیسر ڈاکٹر عبد الشہید نعمانی نے اپنے خطاب میں کہا کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ جس طرح حبِ رسول سے سرشار تھے، اسی طرح صحابہ کرام و اہلِ بیت سے محبت و عقیدت ان کی تصانیف کا اہم موضوع رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام ساری امتوں کے افضل ترین افراد میں سے ہیں، تمام مخلوق میں انبیائے کرام کے بعد صحابہ کرام کا رتبہ سب سے بلند ہے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ نے ہمیں خلفائے راشدین کی تعلیمات سے استفادہ کرنے کے لئے اپنی تحریروں میں بارہا متوجہ کیا ہے۔ چیئرمین سینیٹ محمد میاں سومرو صاحب نے صدر ادارہ کے نام فرستادہ اپنے پیغام میں کہا کہ امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی ہمہ جہت شخصیت نے ایک بڑے نازک وقت میں مسلمانانِ برصغیر و مسلمانانِ عالم کو علمی وفکری رہنمائی مہیا کی تھی۔ آپ کے افکار و تعلیمات ہمارے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت و روشنی ہیں۔ وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی، پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صدیقی صاحب نے اپنے پیغام میں کہا کہ آج کراچی یونیورسٹی سمیت کئی ملکی و انٹرنیشنل یونیورسٹیز میں امام احمد رضا کی علمی ادبی خدمات و دیگر فنون سے متعلق پی۔ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالات لکھے جارہے ہیں جو کہ لائقِ تحسین اور قابلِ تقلید ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کراچی یونیورسٹی کلیۂ اسلامیہ سے ان کی علمی، دینی، تفسیری، فقہی خدمات پر پی۔ایچ۔ڈی کی اسناد دی جاچکی ہیں اور پی۔ایچ۔ڈی کے کئی تھیسس زیرِ تکمیل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور تشخص کو بلند کرنے کے لئے امام احمد رضا جیسی باصلاحیت اور مدبرانہ قیادت کی امتِ مسلمہ کو دورِ حاضر میں اشد ضرورت ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آج کا منتشر ماحول بھی ہم سے تعلیماتِ امام احمد رضا پر غور وفکر کرنے کا متقاضی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عالمی جامعات میں امام احمد رضا کی حیات اور علمی و ادبی خدمات پر ریسرچ ہورہی ہے، اب تک دنیا کی مختلف جامعات میں ۲۲ طلبہ پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرچکے ہیں جن میں طالبات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح کئی طلباء و طالبات امام احمد رضا پر ایم۔فل کی اسناد حاصل کرچکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امام احمد رضا پر تحقیقی کام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے بالخصوص عرب کی جامعات میں بھی امام احمد رضا پر تحقیقی کام ہورہا ہے اور جامعۃ الازہر سے کئی طلباء امام احمد رضا کے مختلف گوشوں پر مقالات لکھ کر ایم۔فل کی اسناد حاصل کرچکے ہیں جبکہ ملک شام سمیت کئی ممالک میں بھی کئی طلبہ ایم۔اے، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالات لکھنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا پاکستان میں ایک انٹرنیشنل امام احمد رضا یونیورسٹی کے قیام کا ارادہ رکھتا ہے جس کے لئے وفاقی وزارتِ تعلیم کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم صاحب (صدر، کلیۂ علومِ اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی)، پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صاحب (فیصل آباد یونیورسٹی)، پروفیسر ڈاکٹر اقبال قریشی صاحب (وائس چانسلر، ہمدرد یونیورسٹی، کراچی)، پروفیسر ڈاکٹر سید کمال الدین صاحب (وائس چانسلر، وفاقی اردو یونیورسٹی)، پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب (کوئٹہ)، پروفیسر محمد انور خان صاحب (چیئرمین، شعبۂ علومِ اسلامیہ، سندھ یونیورسٹی)، پروفیسر ڈاکٹر مظہر الحق صاحب (وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی)، پروفیسر ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو صاحب (صدر، کلیہ علوم اسلامیہ، سندھ یونیورسٹی) و دیگر علمی، ادبی، تحقیقی شخصیات نے کانفرنس کے لئے اپنے پیغامات بھجوائے۔

کانفرنس میں امیر اہلسنّت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری صاحب، پروفیسر دلاور خاں نوری صاحب (پرنسپل جامعہ ملیہ پوسٹ گریجویٹ کالج، ملیر)، سید ریاست رسول قادری صاحب (نائب صدر ادارہ)، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق مدنی صاحب، مولانا ڈاکٹر منظور احمد سعیدی صاحب، حاجی رفیق برکاتی صاحب، مصطفائی تحریک پاکستان کے امیر عابد ضیائی قادری صاحب، پروفیسر ڈاکٹر حسن امام صاحب، مفتی محمد محمود قادری رضوی صاحب ابنِ علامہ مولانا جلال الدین قادری رضوی مدظلہ (کھاریاں)، پروفیسر ڈاکٹر غلام عباس قادری صاحب، حاجی عبد اللطیف قادری صاحب، حاجی محمد حنیف طیب صاحب، قاضی نور الاسلام شمس صاحب، محمد احمد صدیقی صاحب، انیق احمد صاحب، سیف الرحمٰن گرامی صاحب، رضوان صدیقی صاحب، مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب (ناظم تعلیمات جامعۂ نعیمیہ، کراچی)، مولانا سہیل قادری رضوی صاحب، محمد حسین لاکھانی صاحب، حاجی عارف برکاتی (سیکریٹری، برکاتی فاؤنڈیشن، کراچی)، الحاج رفیع صاحب، مولانا سید زاہد سراج قادری صاحب، حاجی محمد اسلم مسعودی صاحب، منصور مسعودی صاحب دیگر علمی ادبی شخصیات سمیت معززینِ شہر نے شرکت کی جبکہ اس سال امام احمد رضا پر تحقیقی مقالات لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ سند حاصل کرنے والے ۵ محققین اسکالرز کو ادارہ کی جانب سے امام احمد رضا گولڈ میڈل ریسرچ ایوارڈ دیا گیا جبکہ بابِ کعبہ ٹریولز کے ڈائریکٹر مولانا شیخ محمد سہیل قادری رضوی صاحب کی جانب سے پی۔ایچ۔ڈی کرنے والے ریسرچ اسکالرز پروفیسر ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب (بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا)، مولانا ڈاکٹر منظور احمد سعیدی (جامعہ کراچی)، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق مدنی (چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی)، پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن امام (وفاقی اردو یونیورسٹی) اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی (گورنمنٹ کالج، جہلم) کو ان کی خدمات کے اعتراف میں عمرہ کے ٹکٹ پیش کئے گئے۔

ادارہ کی ویب سائٹ پر ''کنز الایمان'' (اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن) کا افتتاح الحاج محمد رفیق برکاتی کے ہاتھوں ہوا۔ آخر میں صلوٰۃ وسلام اور دعائے خیر پر اس مبارک کانفرنس کا اختتام ہوا۔ مولانا پروفیسر ندیم اختر القادری نے اپنی مخصوص آواز میں ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے چند اشعار پڑھے۔ دعائے خیر علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب نے فرمائی۔ بعد میں حاضرین کی ضیافت مشروب اور عصرانے سے کی گئی۔ اس موقع پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا اور ادارۂ مسعودیہ کی مطبوعات کا اسٹال بھی لگایا گیا۔ شرکائے محفل نے مطبوعات سے خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا۔

☆☆☆☆☆

تفسیرِ رضوی

سورۃ البقرۃ

★ معارفِ قرآن ★ من افاضاتِ امام احمد رضا

گزشتہ سے پیوستہ

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

(۹۷) قُل مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلبِكَ بِإِذنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَينَ يَدَيهِ وَهُدًى وَبُشرَىٰ لِلمُؤمِنِينَ.

تم فرمادو جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہو تو اس جبرئیل نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے قرآن اتارا اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت وبشارت مسلمانوں کو۔

﴿۱۵﴾ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

(یہاں ''بین یدیہ'' سے آپ نے خطیب کے سامنے جمعہ کے دن اذان ثانی کی کیفیت وحالت بیان فرمائی، لہٰذا فرماتے ہیں:) اب میں اس لفظ (بین یدیہ) کی تحقیق کرتا ہوں۔ لفظ ''بین یدیہ'' دو حرفوں سے مرکب ہے۔ ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ کے معنی تحقیقی یہ ہوئے کہ آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی، کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو ان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں، اور انہیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضا ''بین یدیہ'' ہے، اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔

لفظ ''بین یدیہ'' کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی مرکب میں بسا اوقات یہی ہوتا ہے کہ معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی۔ اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معنی اگرچہ مجازی قرار دیئے جائیں۔ لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں۔ لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہوگا ہے۔ قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے۔ اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ رویت عادیہ لے لئے قرب ومقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ۔ بین یدیہ۔ کا اصلی مفاد یہی ہے۔ البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی، حددرجہ متفاوت المعنی کلی مشکک ہے۔ اس لئے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب وبعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضہ سے نہیں عقل کے تقاضہ سے ہے۔ پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لئے تھا۔ لیکن بعد میں ظرف زمان کے لئے بھی مستعمل ہونے لگا۔ یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لئے، کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے۔ اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے۔ قرآن عظیم اور محاورات عرب میں لفظ۔ بین یدیہ۔ ان دونوں معنی میں وارد ہوا۔

مفسرین نے اسی معنی سے اس کی تفسیر کی، میں نے تتبع اور تلاش سے قرآن پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات میں قرب پر کوئی دلالت نہیں۔ اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لئے ہے۔ اور سترہ مقامات پر قرب کے لئے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے۔ ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اول۔

(۱) سورہ بقرہ۔ (۲) سورہ طٰہٰ۔ (۳) سورۂ انبیاء۔ (۴) سورۂ حج۔

ان سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں ''یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم''۔ ان کے پس وپیش کا اسے علم ہے۔

(۵) سورہ مریم شریف کی آیت ''لـه مـا بيـن ايدينا و ما خلفنا و ما بين ذلك '' اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ہمارے پیش و پس اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔

(۶) سورۂ بقرہ میں: فانه نزله على قلبك مصدقالما بين يديه ۔ اللہ پاک نے قرآن عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔

(۷) آل عمران میں '' نزل عليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه'' آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۸) سورہ انعام میں ''وهذا كتاب انزلناه مبرك مصدق الذى بين يديه .'' ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۹) سورہ یونس میں '' وما كان هذا القرآن ان يفترى من دون الله لكن تصديق الذى بين يديه . '' یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افتراء نہیں ہے۔ یہ تو گزرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۰) سورہ یوسف میں '' ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذى بين يديه وتفصيل كل شئى '' یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شی کی تفصیل ہے۔

(۱۱) سورہ سبا میں ''وقال الذين كفروا لن نومن بهذا القرآن ولا بالذى بين يديه '' کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ نہ اس پر جو گذشتہ ہے۔

(۱۲) سورہ ملائکہ میں '' والذى اوحينا اليك من الكتاب هو الحق مصدقا لما بين يديه '' جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے۔ اور گزرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۳) سورہ حم السجدہ میں '' وانه لكتب عذيز لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه '' یہ عزت والی کتاب کہ باطل کو اسکی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔

(۱۴) سورہ احقاف میں '' قالوا يا قومنا انا سمعنا كتبا انزل من بعد موسى مصدقا لما بين يديه '' اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔

(ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

اور بلا شبہ قرآن عظیم تمام ہی گذری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اتور گذشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۵) آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے۔'' مصدقا لما بين يدى من التوراة '' کہ میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔

(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت '' وقفينا على آثارهم بعيسى بن مريم مصدقا لما بين يديه من التوراة'' ہم ان تینوں کے نشان قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی۔

(۱۷) اور سورہ صف کی آیت '' مصدقا لما بين يديه من التوراة ومبشرا برسول ياتى من بعدى اسمه احمد. '' میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا۔ جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔

ان آیات میں لفظ بين يديه کو حضور پر حمل کیا جا سکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی تفسیر '' من قبلہ'' ہی کیا کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔

﴿جاری ہے﴾

گزشتہ سے پیوستہ

۸۔ فِرَق باطلہ

معارفِ حدیث
من افاضات امام احمد رضا

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین مولی المسلمین حضرت علی کرم للہ تعالیٰ وجہہ الکریم ایک دن خطبہ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کہ واقعہ جمل مین امیر المؤمنین کے ساتھ تھے کھڑے ہوکر عرض کی: یا امیر المؤمنین! ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے، فرمایا: گہرا دریا ہے اس میں قدم نہ رکھ، عرض کی: یا امیر المؤمنین! ہمیں خبر دیجئے، فرمایا: اللہ کا راز ہے، زبردستی اسکا بوجھ نہ اٹھا، عرض کی: یا امیر المؤمنین! ہمیں خبر دیجئے، فرمایا: اگر نہیں مانتا تو امر ہے دوامروں کے درمیان، نہ آدمی مجبور محض ہے، نہ اختیار اسکے سپرد ہے۔ عرض کی: یا امیر المؤمنین! فلاں شخص کہتا ہے: کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ حضور میں حاضر ہے۔ مولی علی نے فرمایا: میرے سامنے لاؤ، لوگوں نے اسے کھڑا کیا، جب امیر المؤمنین نے اسے دیکھا، تیغ مبارک چار انگل کے قدر نیام سے نکال لی اور فرمایا: کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے، یا خدا سے جدا مالک ہے؟ اور سنتا ہے، خبردار! ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہوجائیگا، اور میں تیری گردن ماردوں گا۔ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! پھر میں کیا کہوں؟ فرمایا: یوں کہہ کہ خدا کے دینے سے اختیار رکھتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے، بے اسکی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں۔

﴿۱﴾ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

پس یہ ہی عقیدۂ اہل سنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے نہ خود مختار، بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے۔ جس کی کنہ راز خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بیشمار رضائیں امیر المؤمنین مولی علی پر نازل ہوں کہ دونوں الجھنوں کو دو فقروں میں صاف فرمادیا۔ ایک صاحب نے اسی بارے میں سوال کیا کہ کیا معاصی بھی بے ارادۂ الٰہیہ واقع نہیں ہوتے؟ فرمایا: تو کیا زبردستی کوئی اسکی معصیت کریگا۔ افیعصی قھراً۔ یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس نے کرہی لیا۔ تو اسکا ارادہ زبردست پڑا۔ معاذ اللہ، خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا کہ ڈاکوؤں، چوروں کا بہتیرا بندوبست کرے پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کرہی گزرتے ہیں۔ حاشا! وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی ہرگز ایسا نہیں کہ بے اسکے حکم اسکی ملک میں ایک ذرہ جنبش کرسکے۔ وہ صاحب کہتے ہیں: فکا نما القمنی حجرا، مولی علی نے یہ جواب دیکر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہتے بن ہی نہ پڑا۔

عمر بن عبید معتزلی کہ بندے کے افعال خدا کے ارادے سے نہ جانتا تھا، خود کہتا ہے: کہ مجھے ایسا الزام کسی نے نہ دیا جیسا ایک مجوسی نے دیا جو میرے ساتھ جہاز میں تھا۔ میں نے کہا: تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا؟ کہا: خدا نہیں چاہتا، میں نے کہا: خدا تو چاہتا ہے، مگر تجھے شیطان نہیں چھوڑتے۔ کہا: تو میں شریک غالب کے ساتھ ہوں، اسی ناپاک شناعت کے رد کی طرف مولی علی نے اشارہ فرمایا، کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اسکی معصیت کرے گا؟ باقی رہا اس مجوسی کا عذر، وہ بعینہ ایسا کہ کوئی بھوکا ہے، بھوک سے دم نکلا جاتا ہے، کھانا سامنے رکھا ہے اور نہیں کھاتا، کہ خدا کا ارادہ نہیں، اس کا ارادہ ہوتا تو میں ضرور کھالیتا۔ اس احمق سے یہ ہی کہا جائے گا کہ خدا کا ارادہ نہ ہونا تو نے کاہے سے جانا؟ اسی سے کہ تو نہیں کھاتا، تو کھانے کا قصد تو کر، دیکھ تو ارادۂ الٰہیہ سے کھانا ہوجائیگا۔ ایسی اوندھی مت اسی کو آتی ہے جس پر موت سوار ہے

غرض مولی علی نے یہ تو اسکا فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادہ الٰہیہ

نہیں ہوسکتا۔ فتاوی رضویہ ۱۱/۱۹۷

(۴) سزا اور جزا کیوں

۳۴. عن محمد الباقر رضی الله تعالیٰ عنه قال : قيل لعلي بن أبي طالب كرم الله تعالى وجهه الكريم: إن ههنا رجلايتكلم في المشيئة فقال :يا عبدالله! خلقك الله لما شآء أو شئت ،قال : لما شآء ،قال : فيميتك اذا شاء أو اذا شئت ؟ قال: بل اذا شآء، قال : فيد خلك حيث شاء أو حيث شئت ؟ قال ،حيث شاء، قال : والله لو قلت غير هذا لضربت الذى فيه عيناك بسيف، ثم تلا على، وما تشاء ون الا ان يشاء الله ،هو اهل التقوى و اهل المغفرة . فتاوی رضویه ۱۱/۱۹۸

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت مولی علی سے عرض کی گئی: کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے، مولی علی نے اس سے فرمایا: اے خدا کے بندے! خدا نے تجھے اس لئے پیدا کیا جس لئے اس نے چاہا، یا اس لئے جس لئے تو نے چاہا؟ بولا: جس لئے اس نے چاہا، فرمایا: تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے، یا جب تو چاہے؟ کہا: بلکہ جب وہ چاہے، فرمایا: تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے یا جب تو چاہے؟ بولا: جب وہ چاہے، فرمایا تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے یا جہاں تو چاہے؟ بولا: جہاں وہ چاہے، فرمایا: خدا کی قسم! تو اسکے سوا کچھ اور کہتا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں یعنی تیرا سر تلوار سے مار دیتا۔

پھر مولی علی نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ وہ تقوی کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے۔

﴿۲﴾ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا، اور جو چاہے گا کریگا۔ بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا، بھیجتے وقت بھی نہ لے گا۔ تمام عالم اسکی ملک ہے اور مالک سے دربارۂ ملک سوال نہیں ہوسکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آ کر امیر المؤمنین حضرت مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے عرض کی: یا امیر المؤمنین! مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے، فرمایا: تاریک راستہ ہے اس میں نہ چل، عرض کی: یا امیر المؤمنین! مجھے خبر دیجئے، فرمایا: گہرا سمندر ہے اس میں قدم نہ رکھ۔ عرض کی: یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا: اللہ کا راز ہے تجھ پر پوشیدہ ہے اسے نہ کھول۔ عرض کی: یا امیر المؤمنین! مجھے خبر دیجئے، فرمایا:

ان الله خلقك كما شاء او كما شئت ۔ اللہ نے تجھے جیسا اس نے چاہا بنایا، یا جیسا تو نے چاہا؟ عرض کی: جیسا اس نے چاہا، فرمایا:

فيستعملك كما شاء او كما شئت، تو تجھ سے کام ویسا لے گا جیسا کہ وہ چاہے، یا جیسا تو چاہے؟ عرض کی: جیسا وہ چاہے، فرمایا:

فيبعثك يوم القيامة كما شاء او كما شئت تجھ قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے اٹھائے گا، یا جس طرح تو چاہے؟ کہا جس طرح وہ چاہے، فرمایا:

ايها السائل! تقول : لاحول ولا قوة الابمن ۔ اے سائل! تو کہتا ہے: کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے مگر کس کی ذات سے؟ کہا: اللہ علی عظیم کی ذات سے، فرمایا: تو اس کی تفسیر جانتا ہے؟ عرض کی: امیر المؤمنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے اس سے مجھے تعلیم فرمائیں، فرمایا:

ان تفسيرها لا يقدر على طاعة الله و لايكون قوة معصية الله في الامرين جميعا الابالله ۔ اسکی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت، نہ معصیت کی قوت، دونوں اللہ ہی کے دیئے سے ہیں۔

حوالہ جات

۱۳۴۔ کنز العمال للمتقی، ۱۵۵۹، ۱/۳۴۴

﴿جاری ہے﴾............

معارف القلوب

فصل دھم: کتاب: احسن الوعاء لآداب الدعاء

مبحث دعا کے متعلق چند نفیس سوال وجواب میں

گزشتہ سے پیوستہ

مصنف: رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان علیہ رحمۃ الرحمن

شارح: مجدد اعظم امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمن محشی: محمد اسلم رضا قادری

قولِ رضا: مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تواردِ احوال حالاتِ اہلِ تلوین (۴۰۳) سے پاک ومنزہ ہیں۔ وہ سردارانِ اصحابِ تمکین ہیں اور احوالِ متعاقبہ ادھر کی تجلیاتِ گوناگون کے آئینہ ہیں۔ وہاں جو کچھ ہے، افضل واکمل واحسن واجملِ احوال ہے۔ خصوصاً سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء۔

قال تعالیٰ: وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ O (۴۰۴)

''جو آن آتی ہے، تیرے لئے گزشتہ آن سے افضل واعلیٰ ہے۔'' فاحفظ واستقم۔ (۴۰۵)

تیسری وجہ: کہ اصح وافضلِ وجوہ ہے، (۴۰۶) یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مقامِ بقا کہ اس مقامِ فنا سے ہزاروں درجے ارفع واعلیٰ ہے، حاصل تھا۔ اس مقام میں دعا وسوال وتوجہ بخلق وتمیز بین الصلاح والفساد (۴۰۷) جائز بلکہ لازم ہے اور شفاعت وعذرخواہی اپنے متعلقوں اور متوسلوں کی طرف سے واجب۔

قولِ رضا: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (۴۰۸)

حضور پُرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی طرف اشارہ فرمایا: فالرجل ھو النازع للقدر لا الموافق لہ کما تقدم (۴۰۹)

آخر اپنے رب عزوجل کو نہ سنا، کہ اپنے خلیل جلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت کیا فرماتا ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ O إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ O (۴۱۰)

جوابِ ثانی: اس بیان سے عدمِ جوازِ دعا وسوال نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے کہ دعا بھی مرادِ محبوب ہے۔ سائلین پر تقاضا ہے۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مولیٰ چاہتا ہے ہمارا بندہ ہمارے حضور التجاء لائے اور عجز وبیچارگی اپنی ظاہر کرے۔

حدیث میں ہے، خدائے تعالیٰ پچھلی رات کو آسمانِ دنیا پر تجلی خاص کرتا اور صبح تک ارشاد فرماتا ہے، ''کون ہے جو مجھ کو پکارے، میں اسے جواب دوں۔ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے، میں قبول کروں۔''

حدیثِ قدسی میں ہے: ''اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو، مگر جسے میں کھلاؤں۔ مجھ سے کھانا مانگو، میں کھانا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو، مگر جسے میں پہناؤں۔ مجھ سے کپڑا مانگو، میں کپڑا دوں گا۔''

سرورِ عالم ﷺ فرماتے ہیں: ''جس کو دعا کی توفیق دی جائے دروازے بہشت کے اس کے لئے کھولے جائیں۔''

دوسری حدیث شریف میں ہے: ''جو مسلمان کسی دعا میں خدائے تعالیٰ کی طرف اچھی طرح متوجہ ہوتا ہے، خدائے تعالیٰ اس کی دعا سے عطا کرتا ہے، یا دنیا میں دیتا ہے، یا آخرت کے لئے ذخیرہ فرماتا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تذییل

غیر خدا سے سوال قبیح لذاتہٖ ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''سوال فواحش سے ہے اور فواحش حرام۔'' پیغمبر خدا ﷺ نے ابوبکر اور

ثوبان اور ابوذر رضی اللہ عنہم سے اس بات پر بیعت لی کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی سے سوال نہ کریں۔ یہاں تک کہ اگر کوڑا گر جاتا، گھوڑے سے اتر کر اٹھا لیتے۔ مگر کسی سے نہ کہتے کہ ہمیں کوڑا اٹھا دے۔

اللہ پاک اصحابِ صُفّہ کی تعریف کرتا ہے: لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ (۴۱۱)

علماء فرماتے ہیں: ''ترکِ سوال ہر حال میں اَولیٰ ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر شخص کے رزق کا کفیل ہے۔''

حدیث شریف میں ہے: ''بھوکا اور حاجت مند اگر اپنی حاجت لوگوں سے چھپائے۔ خدائے تعالیٰ رزقِ حلال سال بھر تک اسے عنایت کرے۔''

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۴۱۲)

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ اِيَّاكُمْ (۴۱۳)

بشر حافیؒ کہتے ہیں: ''جو کسی کو برا نہ کہے اور کسی کے دروازے پر نہ جائے اور کسی سے سوال نہ کرے، دنیا و آخرت میں با آبرو رہے۔''

بعض (وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ) (۴۱۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اپنے رب ہی سے مانگ۔ دوسرے سے سوال نہ کر۔ اور (اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی) (۴۱۵) کے تحت میں تحریر کرتے ہیں۔ فمن طلبه من غيرنا فقد اخطاء۔ ''تو جو اسے ہمارے غیر سے طلب کرے وہ خطا پر ہو۔''

حوالہ جات و حواشی

(۴۰۳) اہلِ تلوین ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو تذبذب اور غیر مستقل مزاجی کا شکار ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے حالات ایسی طبیعت سے پاک و منزہ ہیں۔

(۴۰۴) سورۃ الضحیٰ، آیت ۴

(۴۰۵) اسے یاد کر لیجئے اور اسی پر استقامت کے ساتھ جمے رہئے۔

(۴۰۶) یعنی مذکورہ اعتراض کا جواب مصنف علام قدس سرہ نے تین طرح سے دیا، ان میں سب سے افضل و صحیح تر جواب یہ ہے۔

(۴۰۷) یعنی بھلائی اور برائی کے مابین فرق کرنا۔

(۴۰۸) اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ سورۃ محمد، آیت ۱۹، ترجمہ (کنز الایمان)

(۴۰۹) مرد وہ ہے جو تقدیراتِ حق میں حق ہی اجازت سے اس کے حضور منازعت کرے نہ کہ تسلیم۔

(۴۱۰) پھر جب ابراہیم کا خوف زائل ہوا اور اسے خوشخبری ملی، ہم سے قومِ لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ بے شک ابراہیم تحمل والا، بہت آہیں کرنے والا، رجوع لانے والا ہے۔ سورۃ ہود، آیت ۷۴، ۷۵، ترجمہ (کنز الایمان)

یعنی کلام و سوال کرنے لگا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مجادلہ یہ تھا کہ آپ نے فرشتوں سے فرمایا کہ قوم لوط کی بستیوں میں اگر پچاس ایماندار ہوں تو بھی انہیں ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے کہا نہیں۔ فرمایا، اگر چالیس ہوں؟ انہوں نے کہا، جب بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر تیس ہوں؟ انہوں نے کہا، جب بھی نہیں۔ آپ اسی طرح فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا، اگر ایک مرد مسلمان موجود ہو تب بھی ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا اس میں لوط علیہ السلام ہیں۔ اس پر فرشتوں نے کہا، ہمیں معلوم جو وہاں ہیں، ہم حضرت لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو بچائیں گے، سوائے ان کی عورت کے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ آپ عذاب میں تاخیر چاہتے تھے تاکہ اس بستی والوں کو کفر و معاصی سے باز آنے کے لئے ایک فرصت اور مل جائے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفت میں ارشاد ہوتا ہے کہ بے شک ابراہیم تحمل والا، بہت آہیں کرنے والا، رجوع لانے والا ہے۔ (خزائن العرفان، حاشیہ کنز الایمان)

(۴۱۱) لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۷۳، ترجمہ (کنز الایمان)

(۴۱۲) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔ سورۃ ہود، آیت ۶، ترجمہ (کنز الایمان)

(۴۱۳) ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۱، ترجمہ (کنز الایمان)

(۴۱۴) اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔ سورۃ الانشراح، آیت ۸، ترجمہ (کنز الایمان)

(۴۱۵) بے شک آخرت اور دنیا دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ سورۃ اللیل، آیت ۱۳، ترجمہ (کنز الایمان)

جاری ہے.........

جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

مولانا محمد اسحاق رضوی مصباحی *

غزالہ تم تو واقف ہو، کہوں مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مرگیا آخر مگر صحرا پہ کیا گزری
(مجنوں گورکھپوری)

۳۰ر دسمبر ۲۰۰۶ء کی صبح بغداد میں اذانِ فجر کے فوراً بعد ایک عظیم عرب قائد یعنی صدام حسین تختۂ دار پر لائے گئے اور انہوں نے بے خوف و خطر دار و رسن کا استقبال کیا اور پلک جھپکنے میں جاں جاں آفریں کو سپر کردی۔ میں یہ سطور یکم جنوری ۲۰۰۷ء کی شام میں لکھ رہا ہوں اور یہ فکر آپ ان شاء اللہ مارچ ۲۰۰۷ء کے شمارہ میں پڑھ رہے ہوں گے۔ طباعت اور ڈاک کے نظام کی وجہ سے کافی پہلے لکھ کر روانہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس حادثہ کو دو ماہ سے اوپر ہو چکے ہوں گے اور اس حادثہ کے بعد بہت سے مضمرات پردۂ شہود پر چمک اٹھے ہوں گے۔ بہت سے خواب حقیقت ہوں گے اور کافی شبہات یقین کا جامہ پہن چکے ہوں گے۔ صدام کی سزائے موت ایک معمولی سا واقعہ نہیں اور نہ ہی ایک شخص کی موت ہے۔ یہ ایک زمانے کے امتداد کی انتہا اور دوسرے دور کی ابتداء ہے۔ فکرِ اسلامی کے الجھے دھاروں کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہے۔ ایک عالمی سازش کے تحت ہے اور عظیم غداری ہے اور بہت بڑی غلطی ہے شیعہ قوم کی۔ ظاہر میں یہ امریکہ اور شیعہ برادری کی کامیابی ہے۔ بس اتنی کامیابی کہ جتنی یزید کو جشن منانے کے لئے ملی تھی اور جتنی فرعون کو دریائے نیل تک دوڑنے کو دی گئی تھی۔ حقیقت میں یہ پھانسی کا پھندا صدام کو نہیں بلکہ ایران کو پھانسی ہے۔ یہ پھندا جو ایران نواز اور شیعہ حضرات نے صدام کے گلے میں ڈالا تھا، وہ پھندا اس مظلوم اور بے دست و پا مجاہد اور خود دار قائد کے گلے میں نہیں تھا بلکہ یہ پھندا تھا آیۃ اللہ خمینی کے نظریات میں اور شیعہ انتہا پسندی کے بڑھتے قدموں میں، ایران کی حکومت کے ہاتھوں میں اور جزیرۂ عرب میں شیعہ نوازوں کے گلے میں۔ وقت بتائے گا کہ پھانسی کا پھندا کس کے گلے میں تھا اور کون پھانسی کھا رہا ہے۔

اس واقعہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس خطے کی فکری رو کے بہاؤ کو ناپنا ضروری ہے اور صدام کے دورِ اقتدار تک اس کے ابعاد و حجم کو دیکھنا ضروری ہے۔

شیعیت اور سنیت:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پر بیعت ہوئی اور اس کے بعد خبروں کے تضاد اور منافقین کے پروپیگنڈوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی کے بیچ جنگ قائم ہوئی۔ ان بزرگوں کی طبیعت باطل پرست نہیں تھی۔ بزرگ صحابہ کی ثالثی سے حضرت علی کے اختلافات دوسرے لوگوں یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ سے بڑی حد تک سرد ہو گئے تو اس وقت اس صلح و صفائی سے متعلق تین طرح کے نظریات ظاہر ہوئے۔ ایک تو وہ جو حقیقی اسلام پسند حضرات کے تھے کہ اجتہادی خطا تھی اور اس میں نہ حضرت عائشہ کو، نہ حضرت معاویہ کو اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہم کو گناہگار ٹھہرایا جاسکتا ہے اور تقریباً تمام امت مسلمہ مہتدیہ کا آج تک اس بات پر فیصلہ ہے کہ دوسرے لوگ جو حضرت علی کی اس نیک نیت صلح سے خاصہ ناراض تھے اور اسلام کو غیر فطری انتہا پسند مذہب بنانا چاہتے تھے، وہ خارجی کہلائے اور حضرت علی کو دشمن سمجھنے لگے۔

تیسرے وہ لوگ جو یہودی اور ایرانی قدیم عقائد کو حضرت علی کی محبت کا رنگ دے کر رائج کرنا چاہتے تھے۔ ان کا دین کوئی عقیدہ یا نظام نہیں تھا بلکہ یہودی عقائد اور قدیم پارسی عقائد کا احیا ان کا مقصد تھا، اس لئے انہوں نے شیعۂ علی اپنا نام کیا، ان میں جن کے عقائد پر حضرت علی کو اطلاع ہوئی آپ نے انہیں سزا دی اور کافی تعداد میں یہ لوگ اپنے عقائد چھپائے رہے۔ حقیقت میں ان کا اسلام سے کوئی تعلق

* مدرسہ جمالِ مصطفیٰ، ماٹ کھیڑا روڈ، بلاس پور، رامپور

نہ تھا، بلکہ یہ ایک مجوسیوں کی وہ جماعت تھی جو غلبۂ اسلام کی وجہ سے ظاہر میں مسلمان ہوگئی تھی۔ حضرت علی کی وفات کے بعد خلافت کے تنازع میں حضرت عبداللہ بن زبیر سامنے آئے مگر مکمل بیعت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ملی مگر آپ نے ملت کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے حضرت معاویہ کے حق میں دست برداری کردی۔ حضرت معاویہ کا وصال ساٹھ ہجری تک ہوگیا۔ اس کے بعد یزید ابن معاویہ کو خلافت ملی۔ اصلی مسلمان اور ظاہر میں حضرت علی کی محبت کا دم بھرنے والے اس پر متحد ہوگئے کہ خلافت کا حق حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو ہے۔ اس کے نتیجے میں کربلا کا درد بھرا واقعہ سامنے آیا اور 62ھ تک بنو امیہ کی ۲۲ سال پرانی حکومت ہچکولے کھا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ذریعہ پھر سے سیدھی ہوگئی۔ سچے مسلمان یعنی اہلِ سنت و جماعت، جب پہلی صدی ہجری کے اختتام پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ حکومت ہوا، تو مطمئن ہوگئے مگر دوسرا گروہ جو شیعۂ علی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، وہ اس پر مطمئن نہیں ہوا اور انہوں نے بنی امیہ کی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے قدیم ایرانی صوبوں میں ایک خاموش باطنی تحریک شروع کی۔ نتیجتاً ڈیڑھ صدی ہجری تک بنو عباس کا پہلا خلیفہ مہدی برسرِ اقتدار رہا۔ اب پھر شیعوں کی سرگرمیاں شروع ہوئیں مگر مہدی اور عباسی خلفاء کے ساتھ اہلِ سنت و جماعت کا پورا قافلہ تھا، اس لئے وہ بعض شیعہ فرقوں کے ارتدادی نظریات پر شکنجہ کسوانے پر کامیاب ہوئے مگر شیعوں نے اندرونِ خانہ اپنی باطنی تحریک جاری رکھی بلکہ زمانہ گزرتے گزرتے عباسی خلافت کا کمزور دور شروع ہوا اور چھٹی صدی میں چنگیز خان کے ہاتھوں ملا نصیر الدین طوسی کی خرافات اور وزیر علمقی کی غداری سے بغداد تاراج ہوگیا۔ اس کے بعد عالمِ اسلام کی ابتری سے فائدہ اٹھا کر شیعوں کی دو قوتیں ابھریں۔ ایک تو مصر میں فاطمی حکومت، دوسرے ایران میں اسماعیلی حکومت۔ مگر مصر میں موجود علمائے اہلِ سنت نے اس حکومت کے شیعی نظریات کا ایسا مقابلہ کیا کہ وہ عوام کو اس کی گمراہی سے بچا لے گئے، مگر اسماعیلی حکومت، جو پہلے سندھ میں بھی قائم ہوچکی تھی، نہایت مضبوط رہی۔ اسماعیلی شیعوں کی حکومت میں شیعہ نظامِ عقائد اپنے تمام شعبوں کے ساتھ مکمل ہوگیا۔ اس میں ظاہر میں اسلام، حقیقت میں یونانی فلسفہ اور عقائد میں قدیم یونانی عقائد تھے۔ تقریباً ان لوگوں کو دو صدیاں اپنی کاروائیوں کے لئے مل گئیں۔ اس کے بعد عثمانی ترکوں نے عالمِ اسلام کی کمان سنبھالی اور بڑی حد تک وہ ان دونوں حکوموں کے بقایا جات کا صفایا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ترک آخر بارہویں صدی تک کافی مضبوط رہے اور ۱۹۲۰ء میں انگریزوں کے جاسوس، مغرب کے اتحاد، نجد کی وہابی تحریک، عرب قومیت، ایرانی عصبیت اور قومیت پھر جواب میں ترک قومیت پرستی، ان سب عوامل نے مل کر اس شاندار ترکی خلافت کا خاتمہ کرایا جو پانچ سو سال تک پورے عالمِ اسلام کو دشمنوں کے خونی پنجے سے بچاتی رہی۔

اب مغرب نوازوں نے ایران میں، ترکی میں دو طرح کے نظریات ابھارے۔ ایک تو خالص قوم پرستی والے اور وہی کامیاب ہوگئے۔ دوسرے وہ شیعہ جن کا کچھ تعلق اسلامی مظاہر سے تھا اور اس کے ساتھ عربوں میں قومیت کے نظریات ابھرے۔ ان موقعوں پر برطانیہ، فرانس اور امریکہ اپنے کچھ اختلافات کے باوجود جزیرۂ عرب کے اچھے خاصے ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یمن، قطر، سعودی عرب، بحرین، اردن، شام، عراق، کویت وغیرہ ملک بن گئے۔ شام کے شیعہ اکثر عرب قومیت کے حامل ہیں مگر عراق اور ایران میں اکثریت ان شیعہ حضرات کی ہے جو عربی النسل نہیں ہیں۔ پھر ایران میں ۱۹۷۹ء میں رضا شاہ پہلوی جو بالکل ماڈرن ایران قومیت پرست تھا، انتہا پسند شیعہ گروپ نے اس کا تختہ پلٹ دیا اور آیت اللہ خمینی کی قیادت میں ایک مذہبی شیعی حکومت قائم ہوگئی جو اب تک قائم ہے۔ اس حکومت کا سیکریٹریٹ نظام اسماعیلی باطنی شیعوں کی طرح ہے اور ظاہر میں یہ تفصیلی عقائد کا اعلان کرتے ہیں۔ انہوں نے برسرِ اقتدار آتے ہی تمام اہلِ سنت کے مدارس و مکاتب بند کردیے اور ان کو شیعوں کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے لئے مجبور کرایا اور اپنی حکومت کو عراق تک پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔

ادھر عراق میں بعث پارٹی کمیونسٹ نظریات کی حامل تھی مگر عرب قومیت اور نرم اسلام کو مانتے تھے، برسرِ اقتدار آئی۔ اب اس خطے میں شیعہ اور سنی کے لئے ایران قومیت اور عرب قومیت کا اختلاف ہوا اور یہ اپنے عروج پر آ گیا۔ شیعوں کی اس وسعت پسندی اور ایرانی تہذیب کے احیا سے پورے عرب متاثر ہوئے۔ ادھر ایران نے کوفہ شہر اور بصرہ کی بندرگاہ تک سرحدی تنازعہ قائم کر دیا۔ ناچار صدام حسین کو جو اس وقت بعث پارٹی کے رہنما تھے، ایران پر حملہ کرنا پڑا۔ عربوں نے صدام کا ساتھ عرب نوازی کی بنیادی پر دیا اور آٹھ سال سے زیادہ یہ بھیانک جنگ چلی۔ اس جنگ میں مغرب نے جس کی قیادت اب امریکہ کے ہاتھ تھی، ایرانی حکومت کے اسلامی لباس سے گھبرا کر صدام کی حمایت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ امریکہ نے انہیں حیاتیاتی اور کیمیاوی ہتھیار تک فراہم کر دیئے جن کو صدام نے استعمال کیا۔ مگر جب عالمِ اسلام کی بزرگ ہستیوں، خاص کر جنرل ضیاء الحق (پاکستان) کی کوششوں بلکہ ان کے انتقال کے موقع پر یہ جنگ بند ہوئی تو صدام حسین کو اپنی قومی عظمت اور خطے میں تیل کی دولت کا احساس ہوا اور انہوں نے جلد از جلد ملک کی تعمیرِ نو اور اقتصادی خوش حالی اور فوجی طاقت پر زور دیا۔ یہاں تک کہ عراق کا دینار جنگ کے بعد دو سال کے اندر امریکی ڈالر کے برابر ہو گیا۔ ادھر ایران کی حکومت نے بھی ان شعبوں پر زور دیا اور دونوں ملک بڑی حد تک خوش حال ہو گئے۔

اس بیچ عرب قومیت اور شیعیت میں بھی کجی آ گئی۔ مگر صدام حسین ایرانی قومیت اور شیعیت کے ان اہم افراد سے جو عرب قومیت کے لئے خطرہ بن سکتے تھے، سختی سے نپٹتے رہے، جس سے عراق متحد ہو گیا۔ مگر عراق کا اور ایران کا اس خطے میں مضبوط ہونا مغرب کے لئے ایک اور خطرہ پیدا کر رہا تھا اور وہ تھا اسرائیلی حفاظت کا مسئلہ۔ مغرب یہ بات جانتا تھا کہ فلسطین کی سرزمین پر اسرائیلی حکومت صرف زور زبردستی اور ظلم کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس خطے میں کوئی بھی مضبوط عرب یا شیعہ ملک اس کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ اب امریکہ اور یورپ کو کسی ایسے مسئلہ کی تلاش تھی جو پھر سے اس خطے میں سیاسی ابتری پھیلا دے یا عربوں اور شیعوں کے بیچ ایک جنگ قائم کر دے۔ ایران چوں کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا، اس لئے اس کی قیادت تک مغرب کی اندرونی رسائی نہیں تھی وہ ایران سے کوئی ابتدا نہیں کرا سکے مگر صدام حسین اور کویت سے وہ پوری طرح قریب تھے، لہٰذا انہوں نے اس کے لئے ان کو ہی چنا۔

لہٰذا انہوں نے امریکی انجینئروں کو حکم دیا کہ عراق کی سرحدوں کے کنوؤں سے تیل کی نکاسی تیز کر دی جائے جس سے عراق کے کنوؤں کا تیل کم ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دو صورتوں کا پیدا ہونا لازمی تھا، یا تو عراق کا تیل کم ہو جائے تو وہ کمزور ہو جائے یا پھر کویت سے عراق کا تنازعہ قائم ہو جائے۔ کویت کے حکمراں جو نہایت موٹی عقل کے مالک ہیں، انہوں نے اپنا سب کچھ امریکی کمپنیوں کو دے دیا اور اس بات کو نہیں سمجھ سکے۔ آخر کار ایک سال تک صدام حسین نے اس کو برداشت کیا اور پھر کویت سے اس کی شکایت کی مگر کویت کے حکمراں اس بات پر اتنے بگڑے کہ صدام کے نمائندہ کے منہ پر تھوک دیا کیونکہ انہیں امریکی ماہرینِ نفسیات نے کافی حد تک گرم کر دیا تھا، اس کے بعد صدام کے پاس سوائے طاقت کے استعمال کے کوئی چارہ نہ تھا، مجبوراً انہیں کویت پر قبضہ کرنا پڑا۔

عربوں کا آپسی تنازعہ ایران کے لئے سنہرا موقع تھا لہٰذا اس نے میڈیا سے ایسے حالات پیدا کرائے کہ یہ تنازعہ جلدی ختم نہ ہو اور صدام حسین کویت پر قابض ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے ایران سے صلح وصفائی کر لی اور سرحدی تنازعہ اس علاقہ کو سونپ کر ختم کر دیا۔ ایران یہ سمجھتا تھا کہ اسے عراق پر حملے کی ضرورت نہیں بلکہ عربوں کا تنازعہ اب اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ان دونوں کا کام تمام ہو جائے گا۔

ام المحارب:

کویت کے قدر رقبضہ کے بعد یورپ اور امریکہ نے وہابی فکر کے ملک خاص کر اور اسلامی ملک عام طور پر اس نقطے پر متحد کر دیے کہ اب صدام حسین توسیع پسند ہیں اور ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ یعنی اب ایک شکار امریکہ اور اسرائیل کے جال میں پھنس چکا ہے۔

صدام بار بار یہ کہتے تھے کہ اصل تنازعہ تیل کی نکاسی کا ہے، پہلے اس کو طے کیا جائے مگر مغرب چونکہ صرف عراق کو ختم کرنا چاہتا تھا اور اسلامی ملک جن کے قائدین میں اکثر کی عقل پیروں میں پڑی رہتی ہے، عراق کی شکایت کو نہ سمجھ سکے اور آخر کار ۱۵ر جنوری ۱۹۹۱ء کو اُمّ المحارب جنگ شروع ہوئی اور ۳۵ ملکوں کی ہوائی طاقت کے سامنے عراقی فوج اور فضائیہ نے کمال دکھایا اور دنیا نے عراق کی برتری تسلیم کی مگر ایک تنہا عراق کیا کرتا، آخر کار انہیں صلح کرنی پڑی اور پھر تیرہ سال تک عراقی عوام نے پابندیاں برداشت کیں۔ مگر صدام حسین اس پورے منظر سے غائب نہیں ہوئے اور اس بیچ ایران مزید طاقت ور ہوتا ارہا تھا اور اب امریکہ کے لئے ایران کو مزید مہلت دینا مناسب نہیں تھا۔ لہذا ... کے مفکرین نے ایسے تنازعہ کی تلاش کی جو شیعہ حضرات کو آسانی سے نپٹا ... لہٰذا انہوں نے عراق کے شیعوں سے رابطہ کیا اور صدام سے نپٹنے کے بہ... نے ان کے خلاف پورے عالمِ عرب کو کھڑا کرنے کی تدبیر کی۔ صدام ... مین جواب کویت سے معافی مانگ چکے تھے اور پورے اسلام پسند ہو چکے تھے، اس انتظار میں تھے کہ اب مسلم دنیا ان پر سے ساری پابندیاں ہٹوانے کی کوشش کرے گی اور ۲۰۰۰ء کے بعد اس کی ابتدا بھی ہو چکی تھی، مگر امریکہ اور اسرائیل کی نظر جس مقصد پر تھی وہ مقصد پورا نہیں ہوا تھا، کیونکہ اس طرح صدام حسین پھر سے طاقتور ہوتے اور ایران تو مسلسل ترقی کر رہا تھا۔ اس بیچ ایران میں گیس کی دریافت نے امریکہ کو اور بے چین کر دیا، کیوں کہ ایران جو ڈیزل کی مصنوعات اور پٹرول کی آمدنی سے اقتصادی برتری حاصل کر رہا تھا۔ گیس کی آمدنی سے اُس کو عظیم فائدہ حاصل ہونے لگا تھا۔

لہٰذا امریکہ نے یہ بہتر سمجھا کہ صدام جو کافی کمزور ہیں اور شیعہ جو اُن کے کافی حد تک مخالف ہیں۔ پہلے صدام سے نپٹا جائے پھر ایران کی طرف بے فکری سے توجہ کی جائے گی اور اس کے لئے ۲۰۰۳ء میں فوج کشی کر کے وہاں کے تیل پر کنٹرول حاصل کیا اور پھر ان تمام عناصر کو بے حد ظلم کر کے صاف کیا جو آگے کبھی بھی عراق میں عرب قومیت کا جھنڈا اٹھا سکتے تھے۔ اس کے لئے ابوغریب جیل قائم کی گئی اور یہودی خفیہ ایجنسی کے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں، عراق میں علماء قتل کیے گئے، وہاں سائنسداں اغوا کر کے ختم کر دیے گئے، نوجوان صحتمند گولیاں مار کر ہلاک کر دیے گئے، فوجی خزانہ لوٹ لیا گیا، بغداد کا تاریخی میوزیم لٹوا دیا گیا۔ غرض عراق میں عرب قومیت کے آثار اور عرب قوم پرست ختم کر دیے گئے اور یہ کام انتہا پسند ملیشیا فوج، امریکی خفیہ ایجنسی اور اسرائیلیوں نے مل کر کیا۔ اب امریکہ ۳۰ر دسمبر ۲۰۰۶ء کو صدام حسین سے فارغ ہو چکا ہے اور عراق کا کام تقریباً مکمل کر چکا ہے۔ وہاں وہ ذہن زیر خاک کر چکا ہے جو کبھی عراق کو بین الاقوامی مقام دلا سکتا تھا اور عربوں کی بالاتری قائم کر سکتا تھا۔ اب اس کو آگے کا کام ہے۔ ایران اور اس کے بازو کی پختہ تنظیم حزب اللہ سے نپٹنا، حزب اللہ کو وہ ستمبر اور اکتوبر کی جنگ میں ٹیسٹ کر چکا ہے، جس کے لئے وہ مکمل تیاری کر چکا ہے۔ اس جنگ میں وہ ان سنیوں کے جذبات کا استحصال کرے گا جو شیعوں کے صدام کے ساتھ سلوک پر جلے بھنے بیٹھے ہیں۔ صدام کو بے عزت کرنا، عیدِ قرباں کے موقع پر سولی دینا، ان کو عرب ہونے پر طعنہ دینا، پھر اس کو انٹرنیٹ پر ڈالنا، یہ سب اس لئے کیا گیا ہے کہ سنیوں کے جذبات فارسیوں کے خلاف تیز سے تیز تر ہو جائیں اور عرب فارسی شیعوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہو جائیں۔ اب امریکہ، اسرائیل صدام کی محبت کا استحصال کر کے ایران کے خلاف استعمال کریں، تو حقیقت میں یہ پھندا صدام کے گلے میں نہیں بلکہ ایرانی شیعوں کے گلے میں ہے۔ اور وقت بتائے گا کہ ان لوگوں نے صدام کو سزائے موت دی یا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب وہ وقت دور نہیں کہ ایران کے سیاسیوں کا محاسبہ ہو رہا ہوگا اور ان کو دنیا میں کئی جگہ کے بم دھماکوں کا حساب دینا ہوگا۔ سعودی عرب میں امریکی فوجی اڈے ہیں۔ بم دھماکے کے الزام میں ۲۵ ملین ڈالر کا الزام ایرانی قیادت پر امریکہ نافذ کر چکا ہے۔ اس مقدمہ میں ایرانی قیادت صدام کی طرح سزائے موت کی مستحق ہو سکتی ہے۔ لہٰذا شیعوں کو آگے پیچھے کا سوچ لینا چاہئے تھا۔ امریکہ کے اس منصوبے کو خاک میں ملانے کے لئے سب سے بہتر طریقہ

یہ تھا کہ عراقی شیعہ صدام کو خیر سگالی کے لئے رہا کرتے اور ایران اس کی حمایت کرتا تا کہ شیعہ سنی اختلافات سے امریکہ اور اسرائیل فائدہ نہ اٹھاتے، مگر وہ دشمنی کیا جس میں آدمی اندھا نہ ہو۔

آخری وقت میں شیعوں نے صدام کو عرب ہونے پر طعنہ دیا تو انہوں نے پارسی ہونے پر۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ کام ان لوگوں نے کیا ہے جو فارسی تہذیب کو اسلام کے بجائے زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ایرانی حکومت نے کئی بار خلیج عرب کہنے پر احتجاج کرتے ہوئے اس خطے کو خلیج فارس کہنے پر اصرار کیا ہے اور اسی وجہ سے جزائر ابی موسیٰ پر اس نے اپنا دعویٰ قائم کر رکھا ہے جو عرب امارات اور ایران کے بیچ ابھی تک نا قابلِ حل مسئلہ ہے۔

صدام مجاہد تھے:

اس پوری تفصیل سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ صدام حسین اصل میں شیعیت، قومیت اور اس کے نظریات کو کنٹرول کرنا چاہتے تھے۔ عراق کا اتحاد چاہتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی قیادت میں عربوں کے نیک رول کو ادا کرنا چاہتے تھے اور عربوں کو ان کی اپنی دولت کے ذریعہ ایک باعزت قوم بنانا چاہتے تھے۔ غرض وہ سب کچھ چاہتے تھے جو ایک وفادار مسلمان چاہتا ہے۔

ایران، کویت، امریکہ اور اسرائیل سے ان کے اختلافات بجا اور اصولی تھے۔ اصل میں وہ ڈرپوک، بزدل اور منافق نہیں تھے۔ جری اور بے باک تھے، مخلص دل کے مالک تھے۔ ان کی صاف گوئی، حقیقت پسندی اور جرأت کی ہی ان کو سزا ملی ہے مگر عرب عوام مسلم قوم میں جذبۂ قربانی، حوصلہ، عزم محکم اور ثابت قدمی کا ایک ایسا درس پڑھا چکے ہیں اور بہادری کے انہوں نے وہ روشن نقوش ثبت کئے ہیں کہ گردشِ ایام کی گرد چھپا نہیں سکے گی اور ان کی ہر ادا پر مسلمان یہ کہتے رہیں گے۔

ہمیں منظور ہے طوق و سلاسل کی گراں باری
اجازت دو کہ اب آمادۂ ہر امتحاں ہم ہیں

دنیا میں بقا کسے ہے، موت سے کسی کے نظریات اور جذبہ نہیں مرجاتا ہے بلکہ بہت سی فتوحات پسِ مرگ ہی حاصل ہوتی ہیں۔

قدم اٹھاؤں تو عرشِ بریں پہ جا پہنچوں
ترا یہ عرصۂ دار و رسن تو کچھ بھی نہیں

مغربی میڈیا، وہابی نشریات اور شیعہ پروپیگنڈہ نے ان کو داغدار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کو جابر حکمراں اور ڈکٹیٹر کا لقب دیا ہے، ان کی کردار کشی کی گئی ہے اور یہ آئندہ بھی ہوگا۔ کیونکہ صدام کے دور کی تاریخ شیعہ لکھنے جا رہے ہیں یا مغرب تحریر کر رہا ہے، جس میں وہ لوگ ان کو بہت گھناؤنا شخص اور ظالم حکمراں کہیں گے۔ جیسا کہ خلافتِ عثمانیہ کی تاریخ غیر اسلام پسند اور لادینی تحریک کے حامل ترکوں نے اور مغرب نے لکھی، جس کی وجہ سے ان ترک حکمراں بادشاہوں کی عظمت چھپ گئی مگر مؤرخین نے بکھرے مواد کو جمع کیا تو معلوم ہوا کہ خلافتِ عثمانیہ کے ترک بادشاہوں نے جس سادگی اور اسلام پسندی سے حکومت کی ہے، خلافتِ راشدہ کے بعد اُس کی نظیر ہی نہیں ملتی۔ آخری تاجدار جناب سلطان عبد الحمید خاں رحمۃ اللہ علیہ کے کمرے سے جب ان کو گرفتار کیا گیا تھا انقلابِ کمال پاشا کے بعد، تو لوگ حیرت میں تھے کہ ان کے پاس مصلّٰی، چند کتابوں اور ایک مصحف شریف اور چند ہتھیاروں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ ہی سب کچھ صدام حسین کے ساتھ بھی ہوگا، جیسا کہ مغرب اور باطل پرستوں کی عادت ہے کہ وہ حقیقت کو بھی مسخ کرنا چاہتے ہیں۔

صدام حسین کے بڑے کارنامے:

انہوں نے عربوں اور مسلمانوں کو حوصلہ دیا ہے، اپنی قوم میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو عام کیا تھا اور ہر میدان میں کامیاب سائنس داں تیار کئے تھے۔

انہون نے ہی سب سے پہلے الحسن اور العباس میزائل اسلامی دنیا میں تیار کرائے جن کی مار ۲۰۰۰ اکلومیٹر تک تھی اور جن کو انہوں نے امُّ المحارب میں اسرائیل کی راج دھانی تل ابیب پر آزمایا تھا۔ اسلامی صدام یونیورسٹی قائم فرمائی تھی جس سے تمام مسلمانوں کے دینی اداروں کو کافی تعداد میں ملحق کیا تھا اور اس میں اسلامی علوم اور عربی کے ماہرین کو جمع فرمایا تھا۔

حضرت امام محمد اور حضرت امام ابویوسف کی اور خاص کر تمام علمائے احناف کی کتابوں کی طباعت اور اشاعت کے لئے ایک عظیم اکیڈمی قائم کی تھی۔

اپنے ملک کے تمام باشندوں کو بشمول خواتین فوجی تربیت دی تھی جو کہ اسلام کے نظام کے عین مطابق تھی۔ محنت، لگن اور ہمت کا درس وہ ہمیشہ دیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنی قوم کی بیداری میں اپنے آپ کو تختۂ دار تک لا کھڑا کیا۔

صدام حسین کی شخصیت:

وہ ایک بڑی ہوشیار اور دمدار شخصیت کے مالک تھے، ہر آدمی سے بات کرتے تھے اور وہ بات چیت میں کبھی اپنے آپ کو حکمراں ظاہر نہیں کرتے تھے، بچوں سے نہایت محبت کرتے تھے اور غریبوں کا بے حد خیال رکھتے حتیٰ کہ گھروں میں جاکر خود خیریت لیتے۔ کسی کے فریج میں اگر پھل نہیں ہوتے تو اس سے وجہ پوچھتے اور خود اس کا وظیفہ بڑھا دیتے تھے۔ مساجد اور مدارس بھی ان کی یادگاروں میں ہیں۔ اپنی بچیوں سے بے حد الفت رکھتے تھے۔ گھریلو کاموں میں کبھی اپنے آپ کو بادشاہ نہیں سمجھتے تھے۔ عراقی عوام سے وہ بے تحاشہ محبت کرتے تھے۔ انہوں نے عراق میں ہر جگہ ترقی کی راہ بنادی تھی۔ دنیا بھر کے فوجی سربراہوں اور مملکتوں کے صدور میں یہ ان کا خاصہ تھا کہ وہ خود میدانِ جنگ میں شامل رہتے تھے اور خود فوجیوں کا حوصلہ بڑھاتے۔ خلیج کی ۱۹۹۱ء والی جنگ میں وہ اس طرح مورچہ پر ڈٹے رہے جیسے کہ عام سپاہی۔ کبھی فوجیوں کے کھانے پر موجود ہوتے۔ ۲۰۰۳ء کی جنگ میں جب بغداد سقوط کے قریب تھا، جب بھی وہ بغداد ہی میں رہے مگر بغداد بلکہ عراق کی تمام شیعہ آبادی مکمل امریکہ کے ساتھ تھی، اس لئے بغداد کا سقوط ممکن ہوا اور بصرہ، کوفہ، نجف تو ان شیعوں کا گڑھ تھا۔ وہ ہمیشہ شیعوں کو اتحاد کی دعوت دیتے رہے۔ وہ بہترین قلم کار تھے۔ ان کی کئی ایک کتابیں عربی زبان میں اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے، نہایت خوددار تھے۔ ایک مرتبہ امریکی عملہ نے ان کو کھانے کی ڈش سرکا کر دے دی۔

انہوں نے بھوک ہڑتال کردی، پھر جب عزت سے کھانا دیا تو انہوں نے کھایا۔ اپنے آس پاس رہنے والے امریکی عملے سے اپنی آخری قید میں بھی کوئی شکایت نہیں کی۔ قرآن پاک کی تلاوت، لکھنا، دنیا کے حالات جاننا، ذکر و اوراد، نماز کی ادائیگی ان کا معمول اور مشغلہ تھا۔ وہ سخت ترین حالات میں نہایت ثابت قدم رہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ حالات کدھر جارہے ہیں۔ ان کو امریکہ نے یہ موقع دیا تھا کہ معافی مانگ کر عراق چھوڑ کر چلے جائیں مگر ایسا کرنا ان کے حق میں گیدڑ کی موت ہوتی جو ان کے پورے مشن کو ختم کردیتی۔ وہ تاریخ میں کوئی مقام نہیں بنا پاتے اور نہ ہی عالمِ عرب میں بیداری پیدا کرسکتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے میدانِ کربلا سے واپس جانا پورے کاز کو ملیامیٹ کردیتا۔ آخر ان کی شہادت ہوئی اور رہتی دنیا تک اسلام کی رگوں میں تازہ خون دوڑ گیا۔ یہ وہ راز تھا جو صدام حسین کو تختۂ دار تک لایا۔ وہ اس جذبۂ شہادت سے شرابور تھے۔

منزل دار و رسن:

کارواں گزرا کیا ہم رہ گزر دیکھا کیے
ہر قدم پر نقشِ پائے راہ بر دیکھا کیے
زیست تھی فانی بہ قدرِ فرصت تمہید عشق
عمر بھر ہم پرتوِ نورِ بشر دیکھا کیے
دردمندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں
دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے

تقریباً دو سال کی قید کے بعد اور سال بھر کے مقدمہ کی کاروائی کے بعد صدام حسین کو ۲۹ر دسمبر ۲۰۰۶ء کو تختۂ دار کے لئے تیار کرلیا گیا۔ ان کے وکیل ابودلیمی نے جب یہ اعلان کیا کہ ان سے صدام حسین کے استعمال کی اشیاء لے جانے کو کہا گیا ہے، تمام دنیا کے مسلم اور انصاف پسند لوگوں کے دل کی حرکت تیز ہوگئی کہ اب اس مردِ خوددار نے دنیا کو آخری سلام کرنا ہے اور وہ خوش نصیب شہید ۳۰ر دسمبر کی صبح جب اذانِ فجر سے اللہ اکبر کی صدائے مبارک سوتے ہوئے لوگوں کو بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہونے کو

بلا رہی تھی، وہ صدا، صدام حسین کو جان کی قربانی کی دعوت دے رہی تھی۔

جب پھندا اس مردِ جاں باز کے گلے میں ڈالا جاتا ہے، ظالموں کو امید تھی کہ اس کا دل دھڑکے گا، خوف طاری ہوگا اور معافی اور گڑگڑانا شروع کردے گا، لرزہ براندام ہوگا مگر ہم سلام کرتے ہیں صدام حسین تمہاری دلیری کو، ہم سلام کرتے ہیں تمہاری خودداری کو، ہم سلام کرتے ہیں تمہاری شجاعت کو کہ تم نے عربوں اور مسلمانوں کا سر فخر سے اونچا کردیا۔ ہم سلام کرتے ہیں کہ تم نے دنیا میں بہادری کی وہ مثال پیش کردی جو امام حسین شہید کربلا نے سکھائی تھی۔ تمہیں سلام کرتے ہیں کہ نہ تم جھکے نہ ڈرے اور تم نے اقبال کا دعویٰ درست کردیا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
قضا آمد تبسم برلب اوست

مگر ظالم شیعہ جو آپ کو تختۂ دار تک لائے تھے، وہ حیرت میں ہوں گے کہ نہ بدن تڑپا نہ زبان نکلی نہ پیر ہلے، بس آخری دم تک یا رسول اللہ کی، یا اللہ کی، لا الٰہ الا اللہ کی صدا آتی رہی۔ بڑے خوش قسمت ہو صدام کہ شہادت تمہیں بتا کر آئی اور ظالم اس کو دیکھ کر حیرت میں ہیں۔ ایک شیعہ کہتا ہے: جاؤ صدام جہنم میں، صدام کہتے ہیں، نہیں، میں جنت میں تم جہنم میں۔ دوسرا شیعہ رہنما کا نعرہ لگاتا ہے، صدام نعرہ لگاتے ہیں، اللہ اکبر۔ اور آخر میں کہتے ہیں تم غدار ہو، قوم کے غدار، اللہ ورسول کے غدار۔ تم نے کافروں کو مسلمانوں پر ظلم کرنے کے لئے بلایا ہے اور تم اپنے اس عمل کا حساب دو گے۔ اور پھر دعا کرتے ہیں صدام حسین، اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنی جان کا نذرانہ لایا ہوں، اگر تو چاہے تو اس کو شہیدوں کی روح میں شامل کرے۔ سبحان اللہ! کیا امید تھی، سبحان اللہ! کیا آرزو تھی اور اللہ کی رحمت پر کیا عظیم بھروسہ۔ اسے کہتے ہیں شہادت اور اسے کہتے ہیں جذبۂ شوق۔ صدیوں تک جاں باز مجاہد تمہاری اس ادا کو یاد رکھیں گے۔ تم دنیا سے گئے شہیدانِ عشق تمہارا استقبال کررہے تھے۔ تمہیں جنت کے حور وغلماں مبارکباد پیش کررہے تھے، تم موت سے گزرے مگر صرف ایسے جیسا کہ کسی محب کو کوئی محبوب اپنی گود میں لے کر تھپکی دیتا ہے۔ مبارک ہو تمہیں شہادت۔ شہادت اسلام کے راستہ میں عرب قوم کے راستہ میں، انصاف کے راستہ میں، ظلم کے خلاف معرکہ میں۔ خدا تمہاری تربت پر رحمت کے پھول برسائے اور شانِ کریمی تمہارے بدن کا تاحشر ناز اٹھائے۔ تم جیت گئے اور ظالم شیعہ اور امریکہ ہار گئے۔ صدام زندہ باد، پائندہ باد۔

حبیب قوم کا دنیا سے جوں روانہ ہوا
زمیں الٹ گئی اور منقلب زمانہ ہوا
عرب کو تُو نے سنوارا کس آب وتاب کے ساتھ
سحر کا نور بڑھے جیسے آفتاب کے ساتھ
چنے رفاہ کے گل حسنِ انتخاب کے ساتھ
شبابِ قوم کا چمکا ترے شباب کے ساتھ
جو آج نشو و نما کا نیا زمانہ ہے
یہ انقلاب تری عمر کا فسانہ ہے
دلوں پہ نقش ہیں اب تک تری زباں کے سخن
ہماری راہ میں گویا چراغ ہیں روشن
فقیر جو تھے ترے در کے خادمانِ وطن
انہیں نصیب کہاں ہوگا اب ترا دامن
ترے الم سے وہ اس طرح جان کھوتے ہیں
کہ جیسے باپ سے چھٹے یتیم روتے ہیں
اجل کے دام میں آنا ہے یوں تو عالم کو
مگر یہ دل نہیں تیار تیرے ماتم کو
پہاڑ کہتے ہیں دنیا میں ایسے ہی غم کو
مٹا کے تجھ کو اجل نے مٹادیا ہم کو
جنازہ تیرا ترے در سے جب نکلتا ہے
سہاگ قوم کا یادوں میں تیری جلتا ہے
رہے گا رنج زمانہ میں یادگار ترا
وہ کون دل ہے کہ جس میں نہیں مزار ترا
وہ جو رقیب تھا ہے آج سوگوار ترا
خدا کے سامنے ہے ملک شرمسار ترا

پلی ہے قوم تری سایۂ کرم کے تلے
اسے نصیب تھی جنت ترے قدم کے تلے
سلام روح کو تیری زبان کہتی ہے
تجھے خدا و مسلماں کی شان کہتی ہے
(اشعار چکبست کچھ تغیر کے ساتھ)

سبق شہادت صدام سے:

صدام تو چلے گئے اور جیسے جانا چاہئے تھا ویسے ہی گئے مگر مسلمانوں کو اس واقعے سے چند سبق سیکھنے چاہئیں۔ مسلمانوں میں اتحاد کی بنیاد صرف اسلام ہونا چاہئے۔ قومیت پرستی ان کے اتحاد کو ختم کردے گی۔ ایران قومیت اور عرب قومیت کے ٹکراؤ سے کافروں کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ترک قومیت اور عرب قومیت کی دیوار سے ۱۹۳۰ء میں الحادیوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس قومیت کی لہر کی وجہ سے کہ جس سے خلافتِ عثمانیہ ختم ہوئی، فلسطین پر قبضہ ہوا اور عرب اور ترک کمزور ہوئے اور آج ایرانی اور عراقی مسلمان کمزور ہوئے اور اسی وجہ سے صدام حسین رحمۃ اللہ علیہ کا مسلمانوں کی برتری کا خواب ادھورا رہ گیا۔

دوسرے وہ بدعتی جماعتیں جن کے عقائد جمہور امت کے خلاف ہیں اور وہ اہلِ سنت کے طریقہ سے الگ ہیں ان لوگوں سے مسلمانوں کو یوں ہی ہوشیار رہنا چاہئے، جیسے وہ کافروں سے ہوشیار ہیں۔ تیسری بات یہ کہ صدام حسین نے بھارت کا ساتھ دیا، مگر جواب میں یہاں کے سیاستدانوں نے ان کے ملک پر حملہ کرنے کو امریکی جہازوں کو تیل دیا اور صرف زبانی مذمت کے علاوہ کوئی کاروائی نہیں کی، بلکہ اس کے بعد سے امریکہ اور اسرائیل سے تعلقات نہایت بہتر کرلئے۔ اب یہاں کی سیاست اور فوج اور انتظامیہ امریکہ اور اسرائیل کے سیکریٹریٹ کے اشاروں پر عمل کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں پر ان دونوں ملکوں کے ہر شعبے کے ماہرین کے مسلمانوں کے بارے میں اہم فیصلے کرنے کے لئے قدم بڑھ رہے ہیں اور اسی طرح اسرائیل اور امریکہ پاکستانی سیاست پر بھی پوری طرح حاوی ہیں۔ اس سے برِصغیر کے سچے مسلمانوں کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور ووٹ کی طاقت سے ایسے منصوبوں کو خاک میں ملانے کی ضرورت ہے۔

عالمِ اسلام کے سیاسی رہنما نہایت موقع پرست اور بزدل ہوگئے ہیں۔ قیادت کی تبدیلی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ قیادت صرف لڑ جھگڑ کر نہیں ہوسکتی۔ اس کے لئے علماء و مفکرین، اسلامی میڈیا، ان سب کو چاہئے کہ وہ عالمِ اسلام کے کسی بھی حصے میں ہوں، انہیں متحد ہونا چاہئے اور قرآن کا یہ فرمان سب کو یاد رکھنا چاہئے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَایَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًاط وَدُّوْا مَاعَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ج وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ ط (پارہ:۴، رکوع:۳، سورہ اٰلِ عمران، آیت:۱۱۸)

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ، وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے۔ بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ناامیدی اور ڈر اپنے دلوں سے دور کرنا چاہئے اور موت سے قطعاً گھبرانا چھوڑ دیں۔ مسلمان اور صرف دین کی بلندی مقصد بنالیں۔ باقی مقاصد اسی کے ساتھ حاصل ہوتے چلے جائیں گے۔ دنیا پرست اور مغرب کے حاشیہ برداروں نے مسلمانوں کو خواہ مخواہ بے حد خوف میں مبتلا کردیا ہے۔ اس خوف سے علماء، قائد اور ایک مسلمان پسپا ہوا ہے۔ دوستو! دنیا سے آخر جانا ہی ہے، بزدلی سے کام نہیں چلتا۔ تم جتنا جھکو گے دشمن تم پر اتنا ہی سوار ہوتا چلے جائے گا۔ ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ سارے فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں کریں گے تو یہ مسلم دشمن طاقتیں خود ناامید ہوجائیں گی۔ بلکہ صرف ان لوگوں سے برتاؤ کرو، اے مسلم حاکمو! جو انصاف پسند ہوں اور جو تمہارے خون کے پیاسے ہوں۔ تم ان کے دانت توڑ دو۔ اے مسلم حاکمو! ان سے تم کیا بات کرو گے جو تمہاری بوٹی بوٹی بنانے کو تیار ہوں۔ کم سے کم ان کے لئے ایسا موقع تو نہ دو۔ تم نے سب طرف دیکھا، کہاں عزت ملی، تو پھر سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت کی طرف لوٹ آؤ کہ باعزت ہوجاؤ۔

﴿بشکریہ ماہنامہ ''اشرفیہ''، مبارکپور۔ اپریل ۲۰۰۷ء﴾

''الزلال الانقٰی من بحر سبقة الاتقٰی''

ایک مختصر تعارف

پروفیسر ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی*

﴿یہ مقالہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء کے موقع پر پڑھا گیا﴾

گلشن اسلام کے باغبان نبی کریم ﷺ نے جن سدا بہار پودوں کی دیکھ بھال اپنے خون جگر سے کی، ان کو اپنے قرب خاص سے نوازا، تعلیم آیات الٰہی سے سرفراز کیا، حکمت ودانائی سے ان کے قلوب کو منور کیا، ایسی برگزیدہ ہستیوں کو صحابہ کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ نے نورِ ہدایت کے آفتاب عالمتاب سے براہ راست کسبِ فیض کیا اور اپنی انکھوں کو جمالِ جہاں آراء سے فیضیاب کیا۔ نبی کریم ﷺ کی زیارت کے اس شرف عظیم نے صحابہ کرام کو وہ رتبہ بخشا ہے کہ بڑے بڑے ولی، زاہد، عابد حتیٰ کہ امام مہدی بھی اس شرف ومنزلت میں صحابہ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم ﷺ کی مرضیات کو اپنا وظیفۂ زندگی بنایا، دین کی خاطر ہجرت کی، جہاد کیا، اپنی جان ومال کو قربان کیا، اپنے اعزہ واقارب حتیٰ کہ باپ کی اور بیٹوں کی قربانی پیش کی۔ اقامت دین کی راہ میں انتہائی عسرت وتنگدستی کے باوجود نہایت محنت ومشقت کے ساتھ ایسے معرکے سر کیے کہ تاریخ عالم انکی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحابہ ساری امتوں کے افضل ترین فرد ہیں تمام مخلوق میں انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے آخری اور سب سے برگزیدہ ہستی کی صحبت کے لئے ان کو منتخب فرمایا خصوصی طور پر ان کو یہ اعزاز عطاء فرمایا کہ دنیا ہی میں ان کے لئے خطاؤں سے درگزر، معافی اور اپنی رضاء خاص اور رضوان کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی جنت کی بشارت بھی دیدی۔

ارشاد ربانی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(سورہ توبہ، آیت: ۱۰۰)

(ترجمہ: اور مہاجرین وانصار میں سے جن لوگوں نے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کی اور جن لوگوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے بہشت میں ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (الواقعہ: ۱۰تا۱۲)

(ترجمہ: اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں یہی لوگ اللہ کے ساتھ خاص قرب رکھنے والے ہیں یہ لوگ جنت کے

* صدر شعبۂ عربی، جامعہ کراچی

باغوں میں ہوں گے۔)

ان آیات پر غور کیجئے سابقیت، متقر بیت، رضائے الٰہی، دخولِ جنت، فوزِ عظیم، خیریتِ زمان، خلود فی الجنت، یہ سب وہ فضائل اور خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے شرفِ صحابیت سے زیادہ بڑا اشرفِ بابِ مناقب میں کوئی اور نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کو بھی اپنے صحابہ کا بڑا پاس وخیال تھا۔ آپ کے اس فرمان مبارک کی بازگشت ہر جمعہ کو ہم سنتے ہیں۔

الله الله في اصحابي لا تتخذوهم غرضا بعدي فمن احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقداذى الله عزوجل ومن آذى الله يوشك ان يأخذه (فضائل الصحابة: ۴۸)

(ترجمہ: میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو میرے بعد ان کونشانۂ ملامت نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو یہ بغض دراصل میرے ساتھ اس کا بغض ہے جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دینے کی کوشش کی وہ عنقریب اسکی گرفت میں آجائے گا۔)

اس طرح اپنے صحابۂ کرام کے بارے میں ایک اور موقع پر فرمایا:

من حفظني في اصحابي كنت يوم القيامة حافظا ومن سب اصحابي فعليه لعنة الله

ترجمہ: جس نے میرے صحابہ کے بارے میں مجھے ہر طرح حفظ واماں میں رکھا، میں قیامت میں اس کا ہر طرح محافظ رہونگا اور جس نے میرے صحابہ پر لعن طعن کیا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ (فضائل الصحابہ: ۵۷)

نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات گرامی اور گراں قدر فرامین کو مدنظر رکھے ہوئے اکابرین اہل سنت نے نہایت غور وفکر کے بعد صحابہ کے مقام ومرتبہ، سابقیت، مدت صحبت، مہاجرت، غزوات میں شرکت، مالی ایثار وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی شان ومرتبہ کی تعیین کے لئے باقاعدہ کچھ اصول وضع کر دیے ہیں اور ان اصولوں کو اپنے عقائد کی کتابوں میں بنیادی عقیدہ کی حیثیت سے شامل کر دیا ہے۔

یہ اصول وعقائد اہلِ سنت اور اہلِ ھویٰ وبدعت کے درمیان مابہ الامتیاز ہیں اور اھل سنت کے عقائد کا بنیادی حصہ اور جڑ ہیں۔ اس ذیل میں جو تصانیف تحریر کی گئی ہیں ان میں اولین تصنیف ''الفقہ الاکبر'' ہے جو سراج الملۃ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ بعد میں مصنفین صحاح ستہ کے معاصر اور مشہور حنفی فقیہ اور محدث امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ التوفی ۳۲۱ ھ نے نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ اہلِ سنت کے جملہ عقائد کو ایک رسالہ میں قلمبند کیا جس کا اصل نام تو ''اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ'' ہے لیکن علمی حلقوں میں وہ ''العقیدۃ الطحاویۃ'' کے نام سے معروف ہے۔

اس رسالہ میں ایمان، رسالت، توحید، مراتب توحید، شرک اور اسکی اقسام، تقدیر، ملائکہ، انبیاء، قرآن کریم، عرش، کرسی، گناہ کبیرہ، جنت و دوزخ، صحابہ کرام، ان کے مراتب، عشرہ مبشرہ، سلف صالحین، تابعین، علاماتِ قیامت، خروجِ دجال، نزولِ عیسیٰ،

حشر وغیرہ کے بارے میں تفصیلی عقائد بیان کر دیئے گئے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اس مختصر رسالہ میں درج ذیل بنیادی امور نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔

ا۔ ہم تمام صحابہ سے محبت رکھتے ہیں۔

۲۔ ان میں کسی سے محبت کے بارے میں افراط وتفریط سے کام نہیں لیتے۔

۳۔ کسی صحابی سے اظہار برأت نہیں کرتے۔

۴۔ صحابہ کی محبت کو دین وایمان کا جز گردانتے ہیں۔

۵۔ صحابہ سے بغض رکھنا شقاق ونفاق اور سرکشی ہے۔

۶۔ نبی کریم ﷺ کے بعد تمام امت میں فضیلت ومرتبت کے اعتبار سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ ہے ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ ہے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ترین ہیں۔

۷۔ چاروں خلفائے راشدین ائمہ مھدیین ہیں جنہوں نے ساری زندگی حق کا بول بالا کیا۔ حق کے مطابق فیصلے کئے اور سرِ مُو حق سے تجاوز نہیں کیا۔

۸۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق عشرۂ مبشرہ کے لئے ہم جنت کی گواہی دیتے ہیں۔

۹۔ جس نے صحابہ، ازواج مطہرات، اور آپ کی اولاد کے بارے میں اچھے جذبات رکھے اور زبان سے ان کی مدح وثناء کی وہ نفاق سے بری ہے۔

صحابہ کے بارے میں ان عقائد کا اہم جزء حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام امت پر سبقیت اور تفضیل وتقدیم ہے۔

اور یہی وہ بنیادی عقیدہ اور اہم نکتہ ہے جس کو حضرت شیخ فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے اپنی تحقیقی کتاب الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی کا موضوع بنایا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاضل بریلوی کے عہد میں تفضیل شیخین کے بارے میں بعض حلقوں میں کچھ اشکالات تھے۔ جس کا ردفوری طور پر حضرت نے اس رسالہ کے ذریعہ ضروری سمجھا۔

آپ نے تفضیلِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثبات میں قرآن مجید میں درج ذیل آیت کو مرکزی آیت کی حیثیت دی ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى (سورۃ اللیل)

(ترجمہ: اور اس آگ سے وہ سب سے زیادہ پرہیزگار دور رکھا جائیگا جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ پاکیزگی حاصل کرے۔)

حضرت فاضل بریلوی جس طرح حب رسول ﷺ سے سرشار تھے اسی طرح صحابہ سے محبت اور ان کا دفاع بھی آپ کی تصانیف کا اہم موضوع رہا ہے۔ اس سلسلہ میں جن اہم تالیفات کا آپ کی تصانیف کے ذیل میں تذکرہ ملتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

ا. غاية التحقيق فى امامة العلى و الصديق

۲. الكلام البهى فى تشبيه الصديق با لنبى

۳. اعتقاد الاحباب فى الجميل و المصطفى و الآل و الاصحاب

۴. وجه المشوق بجلوة اسماء الصديق و الفاروق

۵. جمع القرآن وبم غروه لعثمان

۶. مطلع القمرين فى ابانة سبقة العمرين

۷. منتهى التفصيل فى مبحث التفضيل

حضرت فاضل بریلوی نے اپنے موقف کے اثبات میں قرآن مجید، احادیث، اقوالِ صحابہ، کلامِ عرب، لغت اور اقوالِ مفسرین ومحدثین سے جابجا استفادہ کیا ہے۔ متقدمین میں جن حضرات کی آراء سے ان کو اتفاق نہیں تھا ان کے رد میں بھی ان کا قلم بڑا رواں ہے۔ اور بہت زور دار انداز میں ان کے تبصرے کتاب ہذا کی زینت ہیں۔ مثلاً مشہور شافعی محدث اور مفسر محی السنۃ حسین بن مسعود فراد البغوی (۵۱۶ھ) کی تصنیف پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قلت وھذہ معالم التنزیل للامام البغوی مع سلامۃ حالھا بالنسبۃ الی کثیر من التفاسیر المتداولۃ ودنوھا الی المشرع الحدیثی یحتوی علی قناطیر مقنطرۃ من الضعاف والشواز والواھیات المنکرۃ (ص:۱۶۷)

(ترجمہ: یہ معالم التنزیل امام بغوی کی تالیف باوجودیکہ دیگر تفاسیر کے مقابلہ میں اس کا حال بہتر ہے اور حدیثی مشرب سے بھی قریب تر ہے لیکن اسکے باوجود ضعیف وشاذ، منکر، واھی احادیث کے ایک بڑے بوجھ سے یہ کتاب بوجھل ہے۔)

قاضی بیضاوی کے بارے میں درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

فما ظنکم بالذین لا اعتناء لھم بعلم الحدیث ولا اقتدار علی نقد الطیب بالخبیث کا لقاضی بیضاوی وغیرہ.

(ترجمہ: تمہاری ان اشخاص کے بارے میں کیا رائے ہوگی جن کو علمِ حدیث سے کوئی تعلق نہیں اور جو خبیث اور طیب کے درمیان تمیز نہیں رکھتے جیسے قاضی بیضاوی وغیرہ۔)

عام تفاسیر میں قصص انبیاء اور ملائکہ کے بارے میں اسرائلیات کے حوالے سے جو روایات داخل ہوگئی ہیں ان پر فاضلانہ انداز میں بڑی سخت گرفت کی ہے، فرماتے ہیں:

بعضھم تعدُّوا ماھنالک وسلکوا سالک تجر الی مھالک فادلجوا فی تفسیر القران ما تقف لہ الشعر وتنکرہ القلوب وتمجہ اذ قروا قصص الانبیاء الکرام والملائکۃ العظام علیھم الصلاۃ والسلام بما ینقض عصمتھم و ینقص او یزیل عن قلوب الجھال عظمتھم کما یظھر علی ذلک من راجع قصۃ آدم و حواء و داود و اوریا و سلیمن والجسد الملقی والالقاء فی الامینۃ والغرانقۃ العلی وھاروت و ماروت وما ببابل جری فبا اللہ التعوذ والیہ الشتکی. ص:۱۶۸، (فتاوی رضویہ، جلد: ۲۸، ص: ۵۴۱، ۵۴۲)

(ترجمہ: ان میں سے بعض ایسے راستے پر چل کھڑے ہوئے ہیں جو ان کو ہلاکت کی طرف لے جارہا ہے ان لوگوں نے قرآن مجید میں ایسی باتیں داخل کردی ہیں جس کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں دل ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اس لئے کہ ان لوگوں انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے بارے میں ایسے واقعات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ان کی عصمت پارہ پارہ ہوتی ہے اور جاہلوں کے دلوں سے ان کی عظمت نکل جاتی ہے یہ باتیں وہ شخص بخوبی ملاحظہ کرسکتا ہے۔ آدم وحواء داوٗد اور یا سلیمٰن اور جسد ملقیٰ اور غرانقۃ العلی، ھاروت، ماروت اور بابل میں گذرے ہوئے واقعات کو ملاحظہ کرتا ہے ان تمام امور میں اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اور اسی کے سامنے شکوہ گذار ہیں۔)

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی

(مکتوبات و تحریرات رضا کی روشنی میں ایک اصلاحی و ایمان افروز تحریر)

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

﴿یہ مقالہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء کے موقع پر پڑھا گیا﴾

آب وگل کی آمیزش ہوئی، تو انسان پیدا ہوا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس انسان کا انجام ایک قطرۂ آب ہے اور انجام ایک مشت خاک۔ اس آغاز وانجام کی کہانی پل بھر کی بھی ہوسکتی ہے، پہروں بھی چل سکتی ہے اور پیڑھی در پیڑھی بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ ہاں! انسان اتنا ناتواں ہے، اتنا بے کراں ہے۔ شاعر کے تخیل نے کیا خوب تصویر اتاری ہے۔

سمٹے تو اک مشتِ خاک ہے انساں
پھیلے تو کونین میں سما نہ سکے

وہ، جس کی فکری توانائیوں سے ملت کی تعمیر ہوتی ہے، معاشرہ تکمیل پاتا ہے۔ تاریخ اسے ہر دور میں رجلِ عظیم، بطلِ جلیل، مصلحِ امت اور مفکرِ ملت بنا کر پیش کرتی رہتی ہے۔ وہ تو چلا گیا کہ اسے جانا ہی تھا مگر اس کی فکر زندہ ہے، اصلاحی کوششیں تابندہ ہیں، دینی وعلمی نگارشات درخشندہ ہیں۔

تاریخ گواہ ہے، نہ فرعون ونمرود رہا، نہ ہامان وشداد رہا۔ ہاں! اس کی حکایت تو ضرور موجود ہے مگر کتنی عبرت ناک ہے، افسوس ناک ہے۔ کتنا بھولا ہے وہ جس نے زندگی نذرِ آوارگی کردی، یہ دانائی نہیں نادانی ہے، حماقت ہے۔ یقیناً دانا ہے وہ، جس نے زندگی وقفِ بندگی کردی، اس نے زندگی گنوائی نہیں، کمائی ہے۔ بگاڑی نہیں، بنائی ہے اور بے شک اسی زندگی کو تابندگی ملی ہے، درخشندگی ملی ہے۔

دور کی بات تو دور ہے، قریب آئیں، جھانک کر دیکھیں۔ امام اعظم پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد ۱۱۴۰ ہے اور حنفیوں کی تعداد ۸۶ کروڑ سے زائد ہے۔[۱] امام ربانی مجدد الف ثانی پر ۳۶۰ کتابیں وجود میں آئیں۔[۲] یہ تعداد ۱۰۹۴ء تک کی ہے۔ اب تو اور زیادہ ہوگی۔ امام احمد رضا پر ۲۶۷ کتب ومقالات تحریر کیے گئے۔[۳] یہ تو صرف اب تک کی بات ہے جبکہ یہ سلسلہ زلف یار طرحدار کی طرح دراز ہوتا چلا جارہا ہے۔ بتایا جائے! یہ زندگی، تابندگی، درخشندگی نہیں تو کیا ہے؟

یہ سوچنا محض بھول ہے کہ زندگی آنے جانے کا نام ہے، عیش و طرب کا نام ہے۔ حیات اور موت، یہ دو کنارے ہیں۔ نہ زندگی سے فرار ممکن ہے، نہ موت سے مفر۔ یہ محسوس زندگی کی بات ہے، ورنہ زندگی سے پہلے کی زندگی اور موت کے بعد کی زندگی کی نوعیت جدا جدا ہے۔ زندگی میں زندگی سمائی ہوئی ہے۔ زندگی کبھی فنا نہیں ہوتی۔ انسان پر یہ بھید بتدریج آشکار ہوتا ہے۔[۴]

امام احمد رضا نے ریاست و امارت میں آنکھ کھولی مگر عسرت و غربت میں زندگی گذاری۔ وہ عسرت وغربت نہیں جو دستِ سوال کرنے پر اکسائے۔ یہ تو صبر واستغنا اور زہد وقناعت سے عبارت ہے۔ ان کے مکتوب میں ایک جملہ یہ ہے: "دنیا میں مومن کا قوتِ کفاف بس ہے۔"[۵] کیسی بے لاگ تلقینِ صبر وشکر ہے جس کا نمونہ صرف سلف صالحین ہی کی سیرت میں مل سکتا ہے۔ ایک صاحب کو حضوری وباریابی حاصل تھی۔ نواب نانپارہ کی شان میں قصیدہ لکھنے کی گذارش کی۔ ذات کے خان پٹھان تو تھے ہی، غیرتِ خاندانی اور جلالِ ایمانی طیش میں آیا۔ قلم اٹھایا، لکھا تو یہ لکھا:

کروں مدح اہلِ دول رضاؔ، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں[۶]

نواب رام پور نینی تال جارہے تھے۔ بریلی اسٹیشن آیا تو نواب کی اسپیشل ٹرین رک گئی۔ نواب کے مدار المہام (وزیر اعظم) اور سیدی مہدی حسن میاں اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار روپے کی نذر لے کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ غالباً بعد ظہر کا وقت تھا۔ آپ قیلولہ (دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹنے کو کہتے ہیں) فرمارہے تھے۔ خبر ہوئی۔ چوکھٹ تک آئے۔ پوچھا، کیا ہے؟ عرض کیا گیا: یہ ڈیڑھ ہزار نذر ہے اور واپسی کے وقت نواب ملاقات کے خواستگار ہیں۔ کھڑے کھڑے جواب دیا: یہ ڈیڑھ ہزار (اس وقت کا ڈیڑھ ہزار، آج کا ڈیڑھ لاکھ) کیا، کتنا بھی ہو، واپس لے جائیے اور نواب سے کہہ دیجئے کہ فقیر کا مکان اس قابل کہاں کہ ان کو بلاسکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جاسکوں۔ ۷

کھڑے کھڑے ایسا جواب بظاہر بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر یہی شانِ فقیری ہے۔ یہی شانِ درویشی ہے جو حکمرانِ وقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ جس کی مثال بزرگانِ کاملین کی حیات و کردار میں ملتی ہے۔

نواب حیدر آباد کا واقعہ مولانا سیف الاسلام دہلوی کی زبانی سنئے:

''میں نے سوداگری محلہ کے کئی بزرگوں سے سنا کہ نظام حیدر آباد نے کئی بار لکھا کہ حضور کبھی میرے یہاں تشریف لاکر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں۔ تو آپ نے جواب دیا: میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت صرف اسی کی اطاعت کے لئے ہے، میں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں۔'' ۸

یہی مولانا سیف الاسلام دہلوی بیان کرتے ہیں:

''نواب حامد علی خاں مرحوم کے متعلق معلوم ہوا کہ کئی بار انہوں نے اعلیٰ حضرت کو لکھا کہ حضور رام پور تشریف لائیں تو میں بہت ہی خوش ہوں گا، اگر یہ ممکن نہ ہو تو مجھے ہی زیارت کا موقع دیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کی طرفداری اور ان کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعات میں معاون ہیں۔ لہٰذا میں نہ آپ کو دیکھنا جائز سمجھتا ہوں، نہ اپنی صورت دکھانا ہی پسند کرتا ہوں۔ ۹

یہ تو نوابوں، راجاؤں کی بات تھی۔ اخص الخواص دیندار دوستوں کی نذر بھی امام احمد رضا نے قبول نہیں کی یا کبھی قبول کی تو حیلے بہانے سے اس سے زائد لوٹادی۔ سفر عظیم آباد، پٹنہ کے دوران قاضی عبدالوحید فردوسی کے خسر صاحب نے آراستہ طشت میں کچھ تحفے اور نذر پیش کی تو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ میزبان نے کہا: حضور ساٹھ (۶۰) روپے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: ساٹھ ہزار بھی ہوں تو فقیر اللہ کے کرم سے بے نیاز ہے۔ ۱۰

۱۳۳۷ھ میں امام احمد رضا جبل پور تشریف لے گئے۔ قریب ایک ماہ چار دن قیام فرمایا۔ میزبان مولانا شاہ عبدالسلام رضوی علیہ الرحمۃ نے ایک ہزار روپے ہدیہ کئے۔ قبول تو کرلئے مگر اس سے کئی گنا زائد نقد اور طلائی زیوارت میزبان اور ان کے بچوں، بچیوں کو پیش کردیئے۔ ۱۱ سفر بیسل پور کے دوران جوان کو نذرانے ملے، وہ انہوں نے نعت خوانوں، ثناء خوانوں میں تقسیم کردیئے۔ ۱۲

پھل اپنے درخت سے پہچانا جاتا ہے۔ امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں تھے۔ نظام حیدر آباد، دکن نے ان کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ منصب قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا۔ ہر طرح اصرار کیا، ہر طرح لالچ دیا تو مولانا موصوف نے یہ جواب دے کر نظام حیدر آباد کو مایوس کردیا۔ فرمایا: ''میں جس دروازۂ خدائے کریم کا فقیر ہوں، میرے لئے وہی کافی ہے۔'' ۱۳

مولانا محمد ابراہیم رضا خاں، مولانا حامد رضا کے بیٹے تھے اور امام احمد رضا کے پوتے۔ قرب و جوار کے دیہات میں اور دور دراز کے شہروں میں ابراہیم رضا خاں دینی اجتماعات اپنے خرچے پر منعقد کرایا کرتے تھے۔ ۱۴ وہ مدرسہ منظر اسلام کے مہتمم بھی تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے گھر کا اثاثہ اور زیوارت بیچ کر مدرسہ کے مصارف میں لگادیئے۔ ۱۵

یہ تو سیرت نگاروں کی زبان ہے۔ اب خود صاحب سیرت کی زبانی سنیے:

مولانا شاہ سید حمید الرحمٰن رضوی نواکھالی، بنگلہ دیش کے مشہور عالمِ دین تھے اور امام احمد رضا کے تلمیذ و عقیدت کیش۔ انہوں نے یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو جواب مسائل کے لئے ایک مکتوب لکھا تو یہ بھی لکھا: ایک روپیہ بطور استاذی خدمت کے روانہ کیا جاتا ہے۔۱۶

جواب میں لکھتے ہیں: جواب مسئلہ حاضر ہے۔ الحمد للہ کہ آپ کا روپیہ نہ آیا اور آتا، اگر لاکھ روپئے ہوتے تو بعونہٖ تعالیٰ واپس کئے جاتے۔ یہاں بحمدہٖ تعالیٰ نہ رشوت لی جاتی ہے نہ فتویٰ پر اجرت۔۱۷

کلکتہ سے حاجی نادر علی صاحب نے استفتاء کیا، اس میں ایک جملہ یہ تھا: خرچ وغیرہ کے لئے تو غلام خدمت کے لئے حاضر ہے۔۱۸ جواب ارقام فرماتے ہیں: یہاں فتویٰ پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا، نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے۔۱۹

ریاست بہاولپور سے مولانا عبد الرحیم خانقاہی کے اس جملہ: اجرت جواب آنے پر دی جائے گی، ۲۰ کا جواب قلمبند کرتے ہیں: یہاں فتویٰ پر کوئی اجرت نہیں لی جاتی، نہ پہلے، نہ بعد، نہ اپنے لئے اسے روا رکھا جاتا ہے۔۲۱

گوجر خان، راولپنڈی سے محمد جی صاحب نے کئی بار خطوط لکھ کر جوابِ مسائل حاصل کئے ہیں۔ ہر بار انہوں نے اجرت و ہدیت کی بات کی ہے۔ قلم کا تیور دیکھئے۔ لکھتے ہیں: قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لئے دیا جاتا ہے، بیچا نہیں جاتا۔ آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھئے۔۲۲

بریلی کے قریب تلہر، شاہ جہاں پور سے مولانا عبد الغفار خان نے ایک مسئلہ دریافت کیا، تو فرماتے ہیں: یہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ غنی ہے۔ اموالِ خیرات نہیں لے سکتا۔۲۳ مولانا محرم علی چشتی، صدر انجمن نعمانیہ، لاہور سے مخاطب ہو کر تحریر فرماتے ہیں: اپنے سے زیادہ جسے پایا، اگر دنیا کے مال و منال میں زیادہ ہے (تو) قلب نے اندر سے اسے حقیر جانا۔۲۴

ریاست پٹیالہ کے شیخ شیر محمد صاحب کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں:

یہاں بحمدہٖ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ و امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتاء آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے ۹۱ برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے ۵۱ برس ہونے آئے، یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گذرے، اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں۔ بحمد للہ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ بعونہٖ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں، کون لوگ ایسے پست فطرت و دنی ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغہ کسب (آمدنی کا طریقہ) کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناوقف مسلمانان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔۲۵ میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے، اگر وہ چاہے۔۲۶

علمی نگارشات میں، دینی خدمات میں امام احمد رضا کا ہر پل مصروف تھا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

جو صاحب چاہیں اور جتنے دن چاہیں، فقیر کے یہاں اقامت فرمائیں۔ مہینہ دو مہینہ، سال دو سال اور فقیر کا جو منٹ خالی دیکھیں یا جس وقت فقیر کو کوئی ذاتی کام کرتے دیکھیں، اسی وقت مواخذہ فرمائیں کہ تو اتنی دیر میں دوسرا کام کر سکتا تھا۔۲۷

خود تو حُبِّ دنیا سے آزاد تھے ہی، اپنی اولاد، اپنے تلامذہ، مریدین، خلفاء، احباب اور احناف علماء کو اسی کی سخت تاکید و تلقین کرتے تھے۔ ایک ضروری ہدایت نامہ کا یہ حصہ دیکھیں:

یہاں بحمدہٖ تعالیٰ نہ کبھی خدمتِ دینی کو کسبِ معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احناف علماءِ شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت وحمایتِ سنت میں جلبِ منفعتِ مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔[۲۸]

یہ تو نثر ہوئی، شاعری میں بھی سن لیجئے:

کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو [۲۹]

ان جزئیات سے امام احمد رضا کا جو چہرہ سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ ان کے نزدیک دنیا غلیظ ہے، فاحشہ ہے۔ دنیا سے محبت کا مطلب غلاظت وفواحشات سے لو لگانا ہے جو دین ودانش کے قطعاً خلاف ہے۔ تم خدا کے آگے جھکو، دنیا تمہارے آگے خود بہ خود جھک جائے گی۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (سورہ طلاق)

ترجمہ: ''اور جو اللہ سے ڈرے اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔''

اس لئے امام احمد رضا نے فقیری میں امیری کی، امیری میں فقیری نہیں، درویشی میں رئیسی کی، رئیسی میں درویشی نہیں۔ فقیری و درویشی وہ نہیں، جو شاہوں، نوابوں اور دین بیزار، دنیا پرست مالداروں، ساہوکاروں کی دریوزہ گری کرے۔ بلکہ عزت فقیری اور غیرت درویشی یہ ہے جس کی دہلیز پر وہ خود بختِ خفتہ لے کر سر کے بل آئے اور بیدار بخت ہوکر جائے۔ یہ ہے امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے!

حوالہ وحواشی

۱۔ جہانِ امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء، ۲/۲۴۸۔

نوٹ: شافعیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ، مالکیوں کی تعداد چار کروڑ اور حنبلیوں کی تعداد چالیس لاکھ ہے۔ یہ ایک عرب محقق کا سروے ہے جو انہوں نے چند سال قبل کیا تھا۔ (نفس مصدر)

۲۔ جہانِ امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۰۵ء، ۱/۸۵۔

۳۔ محمد عیسیٰ رضوی، مولانا، قرطاس وقلم، ایڈوانس پرنٹنگ و پبلشنگ، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص:۱۳۔

۴۔ غلام جابر شمس، ڈاکٹر، پروازِ خیال، ادارۂ مسعودیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۱۳۔

۵۔ محمد ظفر الدین، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، قادری کتاب گھر، بریلی، ۱/۲۰۸۔

۶۔ احمد رضا خان، امام، حدائقِ بخشش، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱/۶۷۔

۷۔ محمد ظفر الدین، مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت، قادری کتاب گھر، بریلی، ۱/۹۲۔

۸۔ عبد الحکیم اختر، مولانا، سیرتِ امام احمد رضا، پروگریسیو بکس، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۵۳۔

۹۔ عبد الحکیم اختر، مولانا، سیرتِ امام احمد رضا، پروگریسیو بکس، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۵۴۔

۱۰۔ ماہنامہ معارفِ رضا، کراچی، شمارہ اپریل ۲۰۰۲ء، ص:۱۶۔

۱۱۔ محمد ظفر الدین، مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت، قادری کتاب گھر، بریلی، ۱/۵۶، ۵۷۔

۱۲۔ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور، ۲۹ر مارچ ۱۹۲۰ء۔

۱۳۔ عبد الحکیم اختر، مولانا، سیرت امام احمد رضا، پروگریسیو بکس، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۵۳۔

۱۴۔ عبد الواجد قادری، مولانا، حیاتِ مفسر اعظم، القرآن اسلامک فاؤنڈیشن، نیدرلینڈ، ۲۰۰۳ء، ص:۸۹۔

۱۵۔ عبد الواجد قادری، مولانا، حیاتِ مفسر اعظم، القرآن اسلامک فاؤنڈیشن، نیدرلینڈ، ۲۰۰۳ء، ص:۷۹۔

۱۶۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۴ء، ۹/۵۷۴۔

۱۷۔ (الف) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۴ء، ۵۷۵/۹۔

(ب) غلام جابر شمس، ڈاکٹر، کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مکتبہ نبویہ، مکتبۂ بحرالعلوم، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۲۰۔

۱۸۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۷ء، ۶۶۰/۱۱۔

۱۹۔ احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۴ء، ۱۷۱/۶۔

۲۰۔ احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۷ء، ۲۵۴/۱۱۔

۲۱۔ احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، ۲۰۰۱ء، ۵۰۴/۲۰۔

۲۲۔ احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۴ء، ۱۳۳/۱۲۔

۲۳۔ القرآن، ۱۲۷/۲۶۔

۲۴۔ (الف) احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۴ء، ۵۶۲/۶۔

(ب) احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۴ء، ۲۳۰/۳۔

۲۵۔ غلام جابر شمس مصباحی، ڈاکٹر، کلیاتِ مکاتیب رضا، مکتبہ نبویہ، مکتبہ بحرالعلوم، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۲/۲۸۵، ۳۸۶۔

۲۶۔ (الف) ماہنامہ ''الرضا'' بریلی، شمارہ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ۔

(ب) کلیاتِ مکاتیب رضا، ۲/۳۳۶، ۳۳۷۔

(ج) امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۸۸ء، ص: ۸۰، ۸۱۔

۲۷۔ احمد رضا خان، امام، حدائقِ بخشش، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۸۱/۱۔

۲۸۔ محمود احمد قادری، مولانا، مکتوباتِ امام احمد رضا، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، بمبئی، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۹۶۔

۲۹۔ محمد مصطفیٰ رضا، الملفوظ، قادری کتاب گھر، بریلی، ۲۱/۳۔

اظہارِ تشکر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے صدر مولانا سید وجاہت رسول قادری صاحب کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر برجیس جہاں کو چند روز قبل شدید علالت کے باعث آغا خان ہسپتال کراچی میں داخل کیا گیا، جہاں ان کے معدے کا آپریشن کیا گیا۔

اب بفضلہ تعالیٰ محترمہ ڈاکٹر برجیس جہاں صاحبہ رو بہ صحت ہیں اور انہیں ہسپتال سے گھر منتقل کر دیا گیا ہے۔ ہم ان تمام رشتہ داروں، بزرگوں، احباب، علماء و مشائخ کے ممنون ہیں کہ جنہوں نے دور و نزدیک سے آ کر عیادت کی۔ ٹیلیفون کے ذریعہ خیریت دریافت کی اور مختلف مساجد، مدارس اور اپنے گھروں میں ختمِ قرآن پاک/ختم آیۂ کریمہ/ختم قادریہ و ختم خواجگان کا اہتمام کر کے مریضہ کی شفاء کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ڈاکٹر برجیس کو صحت و عافیت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز بحیثیت ایک عاشق رسول ﷺ

پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صدیقی *

﴿یہ مقالہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء میں پڑھا گیا﴾

آپ چودھویں صدی ہجری کے ایک بلند پایہ فقیہہ، سائنس دان، بہترین نعت گو، صاحب شریعت وصاحب طریقت بزرگ تھے۔آپ کے علم ومقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ تقریباً 54 علوم وفنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے اوران علموں میں سے ہر فن میں آپ نے کوئی نہ کوئی تصنیف یادگار ضرور چھوڑی ہے۔ان تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد بیان کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ آپ نے مشہور کتابوں پر بے شمار حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ان کی تصانیف میں قرآن حکیم کے ترجمے کے علاوہ بارہ ہزار صفحات پر مشتمل ''فتاویٰ رضویہ'' ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔''فتاویٰ رضویہ'' دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کو علم ادب اور فقہ وحدیث پر کتنا عبور حاصل تھا۔حتیٰ کہ علماء عرب بھی آپ کی علمی قابلیت کے معترف تھے

امام احمد رضا خان نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔آپ نے صرف ایک ماہ کے عرصہ میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔دینی علوم کے علاوہ امام احمد رضا خان کو سائنسی علوم پر بھی پوری مہارت حاصل تھی۔

ماہر ریاضیات تھے، جب ان کے سامنے ریاضی کا ایک پیچیدہ سوال آیا تو اس کو مولانا امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے با آسانی حل کردیا۔

مولانا کی شخصیت ایک پہلودار شخصیت تھی جس کے مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔لیکن ان امتیازی وصف میں جو دوسرے تمام فضائل وکمالات سے بڑھ کر ہیں وہ ''عشق رسول ﷺ'' ہے۔ان کی تصانیف وتالیفات میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ یہی حُبِ رسول ﷺ ہے۔ترجمۂ قرآن کریم ہو یا تشریح احادیث، فقہ کی باریک بینی ہو یا شریعت وطریقت کی بحث ہو یا نعتیہ شاعری، ہر جگہ عشق رسول ﷺ کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔ان کی نعتیہ شاعری کو ہی لے لیجئے یہ کوئی رسمی اور روایتی شاعری نہیں ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی شاعری ہے۔جس کے افکار کا محور ذات رسالت مآب ﷺ ہے۔آپ کے شعری مجموعہ ''حدائق بخشش'' کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ذات عشقِ مصطفیٰ سے عبارت تھی۔آپ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ نعت گو شعراء میں کوئی شاعر علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں مولانا امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پلہ نہیں ہے۔

مولانا کی شخصیت کا دوسرا نمایاں پہلو جس نے آپ کو منفرد مقام عطا کیا۔وہ آپ کا تبحر فقہی علم ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آپ ان علوم وفنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے جو ایک فقیہہ کے لئے ضروری ہے۔آپ میں استدلال واستنباط کا وہ ملکہ موجود تھا۔جو ایک مجتہد کے لئے ضروری ہے۔اس کی شہادت ان کے فتوؤں کا مجموعہ ہے۔یہی وہ مجموعہ ہے جس کے مطالعے کے بعد جناب علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ''اگر مولانا میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے زمانے کے امام ابوحنیفہ ہوتے۔''

علامہ اقبال کے اس قول سے حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے ایک اور پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔یعنی ان کی شدت اور سختی۔اگر ہم مولانا کی زندگی کا مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ جس شدت کا علامہ اقبال تذکرہ کررہے ہیں۔وہ مولانا کی زندگی میں ان کے ذاتی معاملات میں نہ تھی بلکہ شدت کا یہ اظہار وہ دشمنان دین کے

☆ شیخ الجامعہ، جامعہ کراچی

مقابلے پر کرتے تھے جو قرآنی تعلیمات ''اشدآء علی الکفار'' کے عین مطابق ہے اور جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت مولانا امام احمد رضا خان کا ایک اہم کارنامہ یہ تھا کہ آپ اسلام کی برتری اور مسلمانانِ ہند کی بہتری کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور قلمی جہاد کرتے رہے۔ آپ میں امت مسلمہ کی اصلاح کا جذبہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مسلم لیگ نے بعد میں دوقومی نظریہ پیش کیا۔ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بہت پہلے اس طرف اشارہ کر چکے تھے۔ اپنی سیاسی بصیرت کے پیشِ نظر وہ ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ معاملات، روزمرہ کے لین دین اور تعلقات و مراسم کی بات مختلف ہے۔ اپنی ایک تصنیف (المحجة المؤتمنه فی آیاة الممتحنه) میں انہوں نے صراحت سے بیان کیا کہ ترکِ موالات کے ساتھ ساتھ جو ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگایا جا رہا تھا وہ غیر شرعی ہے۔ اگرچہ مولانا قیامِ پاکستان تک زندہ نہ رہے لیکن اپنی تحریروں اور تبلیغ سے قیامِ پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہزاروں علماء کی ایک ٹیم ضرور تیار کر گئے۔

آج جامعہ کراچی سمیت کئی ملکی و بیرونی جامعات میں امام موصوف کی نعتیہ شاعری اور دیگر فنون سے متعلق تحقیقی مقالات لکھے جا رہے ہیں۔ اور جامعہ کراچی شعبہ اسلامیہ ہی سے ان کی علمی، دینی، تفسیری، فقہی خدمات پر پی ایچ ڈی کی اسناد دی جا چکی ہیں، اور کئی مقالے زیرِ ترتیب ہیں۔ معاشرہ کی تشکیلِ نو کے لئے آپ نے انگریز اور ہندوؤں کے رسم و رواج کا سختی سے رد کیا اور مسلمانوں کو دینی شعائر پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو جدید تعلیم حاصل کرنے کی طرف بھی راغب کیا چنانچہ آپ ایک جگہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''غیر دین کی ایسی تعلیم جو جملہ مفاسد سے پاک ہو مثلاً ریاضی، ہندسہ، حساب، جبر، مقابلہ اور جغرافیہ ضروریاتِ دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں خواہ کسی بھی زبان میں ہو اور نفسِ زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔''

مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور تشخص کو اس وقت زبردست دھچکا لگا جب آج سے سو سال قبل انگریزوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر ہند کی معیشت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس پرآشوب دور میں اللہ رب العزت نے برصغیر کے مسلمانوں کو حضرت امام احمد رضا خان جیسی باصلاحیت اور مدبرانہ قیادت سے نوازا، آپ کی تصانیف اور تبلیغی کاوشوں نے شکست خوردہ قوم میں ایک فکری انقلاب برپا کر دیا۔ آج کا منتشر ماحول بھی ہم سے تعلیماتِ امام احمد رضا پر غور و فکر کرنے کا متقاضی ہے۔

یوں تو اسلام علم و فن کے ہر شعبے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس کی تعمیر و ترقی کا داعی بھی ہے لیکن ایسے علوم کی اہمیت زیادہ ہے جس کا تعلق انسان کے فکر و عمل سے ہو کیوں کہ فکر و عمل کے اثرات ہی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر انتہائی گہرے ہوتے ہیں۔

بلاشبہ قانون کی تشریح کرنا اور اصولوں کی روشنی میں قانون بنانا بڑا مشکل کام ہے اور اس کام کو وہی حضرات بطریق احسن انجام دے سکتے ہیں جو بہترین صلاحیتوں کے حامل ہوں۔ گوناگوں علوم و فنون میں مہارت رکھتے ہوں اور قوتِ استدلال اور جدید و قدیم مسائل کے ادراک کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مالک بھی ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلے میں قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ نے بنیاد قائم کر دی ہے لیکن اس بنیاد کی روشنی میں مجتہدانہ غور و فکر اور بصیرت کے ذریعہ مسائل کا قابلِ عمل حل پیش کرنا معمولی ذمہ داری نہیں۔

میں عرض کر رہا تھا کہ فقہ کے بارے میں، فقہ کے میدان میں آپ کے فتاویٰ فقہ اسلامی کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہیں جو آپ کو مجتہد کے درجہ پر فائز کرنے کے لئے کافی ہیں۔

آپ کے علمی کارناموں کا دوسرا رُخ آپ کے پیش کردہ معاشی نکات ہیں جو آپ نے ۱۹۱۲ء میں وہ چار نکات پیش کئے کہ جن پر اگر ہمارے اکابر بروقت توجہ فرماتے، تو مسلمان ۱۹۴۷ء سے قبل ہی انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر لیتے بلکہ آج پورے برصغیر کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی۔ آپ نے ان چار نکات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

☆ مسلمان اپنے دین کی اشاعت کی طرف توجہ دیں۔
☆ فضول خرچی نہ کریں اور مقدمات پر روپیہ پیسہ پانی کی طرح نہ بہائیں۔

☆ مسلمان صرف مسلمان تاجروں سے خرید وفروخت کریں۔

☆ اہلِ اسلام مسلمانوں کے لئے اسلامی طرز پر بینکاری کا نظام قائم کریں۔

اعلیٰ حضرت کے یہ نکات مسلمانوں کی معاشی اصلاح کے لئے تھے تاکہ وہ اپنے دین کی روشنی میں معاشی استحکام حاصل کرلیں جس کے نتیجے میں وہ سیاسی طور پر قوت حاصل کرلیں گے۔ کیوں کہ اس بات سے ہم انکار نہیں کرسکتے کہ تقسیم سے قبل مسلمان اقلیت ہونے کے باوجود بعض علاقوں خاص کر یوپی میں گاؤں کے مالک ہوتے تھے جس بناء پر ان کا وہاں کی آبادی پر سیاسی اثر ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ تقسیم کے فوراً بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ پٹیل نے زمینداری کے خاتمے کا اعلان کرکے مسلمانوں کی اقتصادی قوت کو ختم کردیا۔

اعلیٰ حضرت نے 1912ء میں مسلمانوں کے لئے الگ بینکاری کی جو تجویز پیش کی تھی وہ اس لئے کہ اس وقت صرف انگریز اور ہندو بینکاری کرتے تھے۔ مسلمان زمینداران اس طرح اپنے علاقے میں اپنا سیاسی اثر بھی زائل کردیتے۔ نیز سیاسی استحکام ہی وہ واحد حربہ ہے جو کسی بھی قوم کو سیاسی قوت بخشتا ہے۔ امریکہ کے حالات ہمارے سامنے ہیں کہ یہودی معیشت پر غالب ہونے کی وجہ سے امریکہ جیسی طاقتور حکومت سے اپنی مرضی کے فیصلے کرواتے ہیں اور عرب ممالک معاشی قوت کو صحیح طور پر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اسرائیل کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔

علم دین کی اشاعت کی طرف اعلیٰ حضرت نے اس لئے توجہ دلائی کہ اگر مسلمان مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی پر توجہ نہیں دیں گے تو یہی ترقی ان کے لئے تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ خاص کر اعلیٰ حضرت کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم اگر حاصل کرنا ضروری ہے تو اس کے ساتھ مسلمان اپنی دینی تعلیم نہ بھلا بیٹھیں۔ کیونکہ آپ کو یہ خطرہ محسوس ہوگیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہوگئے تو اپنی حیثیت کھو بیٹھیں گے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نے تحریک ترک موالات کے سلسلے میں ۱۹۲۰ء میں ایک جامع فتویٰ دے کر دوقومی نظریئے کی بنیاد ڈال دی اور آپ کے فتوے ہی کی بناء پر علامہ اقبال نے ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں انجمن حمایت الاسلام کے جلسہ میں انجمن کے جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور فرمایا:

''میں ہر معاملہ کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں اور مسلمانوں کو بتادینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت بالکل تباہ ہوجائے گی۔''

امام احمد رضا خان نے اپنی جملہ تصانیف میں کئی جگہ جن اسلامی سیاسی افکار اور تنظیماتِ عامہ کو بھی بیان کیا ہے عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق ان افکار اور نظریات کو مربوط کیا جائے اور فروغ دیا جائے تاکہ امت اسلامیہ اپنے اس ورثہ علمیہ کو نہ صرف سمجھ سکے بلکہ اپنے روشن مستقبل کے لئے ایک مستحکم ومضبوط لائحۂ عمل بھی تیار کرسکے۔

''امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ایک مقلد تھے۔ آپ کا مسلک حنفی تھا لیکن آپ ایسے مقلد تھے جس کی تقلید کے دامن میں اجتہاد کی وسعتیں اپنی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ سمٹ کر آگئی تھیں۔ وہ مجدد تھے لیکن ایسے مجدد کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تجدد نے علم وفکر کے ان گوشوں تک صاحبانِ طلب کو پہنچایا جو رہنمائی کی نایابی کے باعث مجبور ہوکر بیٹھ گئے تھے۔ اسلاف پرستی اور شخصی عظمتوں کے اعتبارات علم وفضل نے تحقیق وتجسس، تفحص وتفکر کے راستوں پر اعتماد ویقین کے ایسے دبیز پردے ڈال دیئے تھے کہ نئے راستے ہی نہیں بلکہ قدیم راستے بھی چھپ گئے تھے اور مدتوں سے قدم ناآشنا بن چکے تھے۔''

ماشاءاللہ! جو چیز اس مضمون میں خلاصہ کرکے بیان کی گئی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو پھیلایا جائے۔ اس کو بتایا جائے کہ یہ چیز ہے جو اعلیٰ حضرت کرنا چاہتے تھے۔

ایک بات عرض کرتا چلوں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر پاک وہند میں ملت اسلامیہ کی نشاۃ الثانیہ میں جب اکابر نے حصہ لیا ان میں حضرت امام احمد رضا خان بھی شامل ہیں۔ اس دور میں مسلمان نہ صرف یہ کہ سیاسی محاذ پر ہزیمت کا شکار ہوچکے تھے، نہ صرف سلطنت سے محرومی ان کا خاص مسئلہ تھا بلکہ یہ ایک بڑا تہذیبی حادثہ بھی تھا جس کا انہیں سامنا تھا اور معلوم کچھ ایسا ہوتا تھا کہ شاید اس خطۂ ارض میں بھی مسلمانوں کا وہی

حشر ہونے والا ہے جو سرز مین ہسپانیہ میں ہو چکا تھا۔ ان کے دشمن صرف نئے حکمران (فرنگی) ہی نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ آنے والے وہ عیسائی مبلّغین بھی تھے جو سارے ملک کو عیسائی بنانا چاہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش اور ابتلا کے دور میں اپنے بندوں میں سے ہی بعض کو یہ نعمت نصیب کی کہ وہ اپنی تحریر و تقریر اور عمل سے اس سیلاب کا مقابلہ کریں اور مسلمانوں کو ایک طرف انگریزوں اور کالے پادریوں کی یلغار سے بچائیں اور دوسری طرح ان تحریکات کا مقابلہ کریں جو ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کو ہندو دھرم میں داخل ہونے کے لئے شروع کی گئی تھیں اور جن کو برطانوی حکومت اور ان کے کارندوں کی تائید حاصل تھی۔ ان ہی بزرگوں میں سرسید سے لے کر اقبال، قائد اعظم تک زندگی کے ہر میدان میں خواہ سیاست ہو، آزادی کے لے جدوجہد ہو یا دین مبین کے استحکام کے لئے جدوجہد ہو علمائے کرام کا بھی نمایاں کردار رہا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اسلام پر ایسا وقت آیا ہے تو ان علماء نے ہی اپنے علم و یقین، اپنے اجتہاد اور کردار سے وہ فرض ادا کیا ہے جس کا ایک حدیث شریف میں یوں ذکر ہے کہ میری امّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں۔

حضرات!

مجھے اس کے اعتراف میں قطعاً تامل نہیں کہ علم دین کے بارے میں، میں طفل مکتب بھی نہیں۔ لہٰذا ان علوم کے سلسلے میں یا ان کے تناظر میں میں امام احمد رضا خان کی زندگی اور تصانیف کے اس پہلو پر گفتگو کا خود کو اہل نہیں پایا۔ لیکن جب میں آپ کی تصانیف کی طویل فہرست پر نظر ڈالتا ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ عالم کسے کہتے ہیں؟ اور صاحب تصانیف ہونے سے کیا عبارت ہے۔ آج کا دور تخصیص کا ہے۔ اور تخصیص کا مطلب ہے کہ ایک علم کے ایک پہلو بلکہ اس پہلو کے ایک جز پر عالم کی توجہ رہتی ہے اور علم کے بحر ذخار میں اس کی حقیقت اور حیثیت ایک قطرہ سے بھی کم ہوتی ہے۔ ایک ایسا شخص جو بیک وقت عالم دین ہو، فقیہ ہو، مذاہب اربعہ پر عبور رکھتا ہو، حدیث پر ایسی نظر ہو کہ جو اس دور میں صرف انگلیوں پر گننے والے چند بزرگوں کا حصہ ہو۔ وہ جو بارہ جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ تصنیف کرے اور ساتھ ہی علوم جدیدہ میں علم ہندسہ، علم ہیئت، ریاضی، طبیعات، طبقات الارض، فلکیات، علم مناظرہ، جغرافیہ، جبرو مقابلہ اور علم طب پر بیک وقت عالمانہ بحث پر قادر ہو، ایک نابغۂ روزگار ہی ہوسکتا ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ان کے علوم کی تاریخ اور ان کے علمی کارناموں پر بھی پردے پڑ گئے۔ آج ہماری جدید تعلیم جسے ہم نے تعلیم کا نام دے رکھا ہے اور جس کی اصلاح کے لئے ہم کتنے کمیشن، کمیٹیاں اور مجالس قائم کر چکے، کتنی تجاویز پیش کر چکے، کتنے کاغذ سیاہ کر چکے، ایک بھی عالم پیدا نہ کر سکے اگر کہیں کسی مدرسہ میں یا خانقاہ میں کوئی اہل علم اور اہل دل باقی ہے تو وہ اس تعلیم جدید کا ثمر نہیں۔ ہمارے اسلاف کی یادگار اور اس نظام تعلیم سے فیض یافتہ ہے جس کا ایک نمونہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ملتا ہے۔

ان میں ہر جہت اور ہر پہلو ایک علیحدہ مضمون کا متقاضی ہے کہ اسلامی علوم و فنون کے ان شعبوں کے تناظر میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کا تجزیہ کیا جائے اور موجودہ نسل کو ان کی علمی تاریخ اور دینی ورثہ سے روشناس کرایا جائے۔ خاص کر وہ علوم جن کے بارے میں یہ غلط فہمی صرف عوام الناس ہی میں نہیں بلکہ طبقۂ خواص میں بھی پائی جاتی ہے کہ یہ علوم ہمیں اہل مغرب کی بدولت حاصل ہوئے حالانکہ جس وقت یورپ کی اقوام قرونِ وسطیٰ کی جہالت میں مبتلا تھیں مسلمانوں کے دار العلوم بغداد سے غرناطہ اور قرطبہ تک پھیلے ہوئے تھے۔

ان بنیادوں کو ہم نے فراموش کر دیا اور اغیار نے ان پر وہ عالیشان عمارتیں تعمیر کرلیں جن کو دیکھ کر آج ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ اور اپنی جہالت، پس ماندگی کا احساس ہوتا ہے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ در روشن کند چشم زلیخا را

جامعہ کراچی کے مختلف شعبہ جات بالخصوص شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، اردو ڈیپارٹمنٹ اور دیگر شعبہ جات میں مولانا فاضل بریلوی کے حوالے سے تحقیقی کام کا آغاز ہو چکا ہے اور اب تک کئی طالب علم پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن *

﴿یہ مقالہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء میں پڑھا گیا﴾

انسانی تاریخ میں نہ جانے عروج و زوال اور ادبار و اقبال کے کتنے دور آئے اور ہر بار ایک نئی تاریخ مرتب ہوئی چونکہ خلاقِ عالم کو بقاء و سلامتی منظور تھی اس لئے اسے ہر موڑ پر محفوظ رکھا اور اس کی نسل کو جلا بخشتا رہا کیونکہ یہ قدرت کی صناعی کا مظہرِ اتم ہے۔ اولادِ آدم علیہ السلام میں جلیل القدر انبیاء بھی ہوئے اور اولیاء و علماء اور صلحا بھی، اور جب زمین کی وسعتوں میں نسلِ آدم پھیلی اور کائنات کی پہنائیوں پر اولاد کا قبضہ و تسلط ہوا تو انہوں نے شر و فساد بھی کیا اور جنگ و جدال بھی، جو انسانی تاریخ کا ایک عظیم اور المناک باب ہے۔

انسانی فتنوں کے سمندر میں ہزاروں مرتبہ طغیانی آئی اور اس موجِ بلا کا شکار اگرچہ زیادہ تر محکوم ہی ہوتا رہا مگر کبھی ایسا بھی ہوا کہ حاکم بھی اس کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا کہ بسا اوقات حاکم، محکوم ہوگیا پھر جو اس پر حاکم ہوا اس کی گرفت سے وہ محفوظ و مامون نہ رہا۔

اس حیرت انگیز اور عبرت آموز تاریخ کے پردوں پر انبیاء و صلحاء کا وجود بھی مسلّم رہا جو انسان کی تربیت و اصلاح کا کا انجام دیتے رہے اور ان نفوسِ قدسیہ کے وجود و برکت سے صالح اور نیک معاشرہ تشکیل پاتا رہا (صالح معاشرہ اسی کو کہا جاتا ہے جس میں انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے ہر وہ چیز موجود و فراہم ہو جس کی ایک صالح سیرت انسان کو ضرورت ہے) پیغمبرانِ عظام اور صلحاءِ عالم کے ذریعہ سے ربِ کائنات کے انوار و برکات کا ظہور ہوتا رہا اور گم گشتگانِ راہ کو ہدایت و رحمت کی منزلیں ملتی رہیں۔ حق کے سب سے بڑے اور اولعزم داعی سید الانس والجان نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد پر بابِ نبوت تو بند ہوگیا کہ سیدِ عالم ﷺ کا زمانہ رحمتِ انسانی وجود کی صلاح و فلاح کا زمانہ تھا اور حضور کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کسی دوسری نبی کے آنے کی توقع تو نہ رہی کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں، مگر انوارِ ربانی کا ظہور و قوع ہونا ہے اس لئے قرناً بعد قرنٍ نسلاً بعد نسلٍ علمائے امت کے ہاتھوں ان کا اظہار و ورود ہوتا رہا، اسی طرح اسلام کے فروغ و استحکام پر صدیاں گزر گئیں پھر ایک پُرفتن دور ایسا آیا جس میں نئے نئے فتنے پیدا ہوئے لوگ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ پر سبقت و برتری حاصل کرنے کی سعی و کوشش میں لگا رہا جس سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہونے لگا اور ہر باطل فرقہ نے اپنے باطل عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت میں طرح طرح کے مخترعہ اصول و مبادی ایجاد کئے جو سراسر دین و شریعت کے خلاف تھے۔

ایسے وقت میں اہلِ حق کی سربلندی اور اسلام و سنت کی حفاظت و صیانت کے لئے خالقِ عالم جل وعلا نے مجدّدِ ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں شہر بریلی میں پیدا فرمایا۔

صحیح حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔

اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر اس امت کے لئے ایک مجدد ضرور پیدا فرمائے گا جو امت کے لئے اس کا دین تازہ کرے گا۔ (ابوداؤد)

یعنی اسلامی اصطلاح میں مجدّد اسے کہتے ہیں جو امت کو بھولے ہوئے احکامِ شرعیہ یاد دلائے، حضور اکرم ﷺ کی سنتوں کو زندہ فرمادے، فقہ و کلام وغیرہ کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھادے، اپنی علمی سطوت و حشمت کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ فرما کر باطل اور اہلِ ہوا کی جھوٹی شوکت کو مٹادے۔

جب ہم چودھویں صدی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں مجدد ملت اعلیٰ

☆ ڈائرکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ کراچی

حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نظر آتے ہیں جو چودھویں شب کے بدر اور آفتاب نیمروز کی طرح اپنی شان مجددیت میں تاباں و درخشاں ہیں۔

فضل و کمال میں بلند مرتبہ اور علوم و فنون میں نابغۂ روزگار جس کے سامنے عرب و عجم اور حل و حرم کے عظیم المرتبت فضلاء اور جلیل القدر علماء نے سرنیاز خم کیئے، جس کے علمی دبدبے کے سامنے یورپ و ایشیا کے فلاسفہ مرعوب و طفل مکتب نظر آتے ہیں۔ آپ شریعت و طریقتِ محمدیہ کا احیاء کرتے ہوئے 25 صفر 1340ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء بروز جمعۃ المبارک اس دار فانی سے رحلت فرما کر دار البقاء کو پہنچے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کم و بیش 55 علوم و فنون پر مہارت رکھتے تھے۔ جن میں علوم القرآن، الحدیث النبوی الشریف، اصول الحدیث، اصول الفقہ، اصول القراءۃ والتجوید، التصوف، العقیدۃ، الکلام، النحو، الصرف، المنطق، الفسلفۃ، الاقتصاد، السیاستہ، الطب والکیمیا والطبیعۃ، الجغرافیا، الحساب، الھندستہ، الھیئۃ والجفر، اسماء الرجال، السیر والتاریخ والادب قابلِ ستائش ہیں۔

کنز الایمان:

انہی حالات کے پیشِ نظر امام احمد رضا کو قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ قرآن کریم کے کچھ ایسے ترجمے شائع ہوئے تھے جن سے ایمان و اسلام اور شرعی معتقدات پر کاری ضرب پڑ رہی تھی کہ اردو ادب کے جدید معماروں نے قرآن کے عربی کلمات کو اردو میں ضرور تبدیل کر دیا تھا لیکن اس تبدیل کو کلام الٰہی کا ترجمہ ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ عربی جملے کو اردو کے قالب میں ڈھال لینا الگ بات ہے اور قرآن حکیم کی ترجمانی کرنا اور بات ہے۔

ایک انسان اپنی صلاحیت و استعداد اور دماغی کوششوں سے معیاری مصنف و قابل افتخار ادیب تو بن سکتا ہے۔ اپنی ذاتی قابلیت و مطالعہ کے زور سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں کا ماہر تو ہوسکتا ہے، اپنے ذہن ثاقب کی ذکاوت و تیزی سے نحو و صرف، معانی و بیان، تاریخ و فلسفہ وغیرہ کا محقق ہوسکتا ہے لیکن قرآن حکیم کا مترجم بننا تو یہ اس کے اپنے بس کی بات نہیں، قرآن مجید کی ترجمانی کرنا، کلام الٰہی کے اصل منشاء و مراد کو سمجھنا، آیات ربانی کے انداز کو پہچاننا، آیات محکمات و متشابہات میں امتیاز کرنا یہ صرف اس عالم دین کا کام ہے جس کا دماغ انوار ربانی سے روشن جس کا قلب و سینہ عشق مصطفیٰ کا مدینہ اور جس کا ذہن بصیرت دینیہ کا حامل ہو۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مختلف علوم و فنون میں مہارت و دسترس، زور استدلال، اسلوب تحقیق، ذکاوت و تیزی اور ان کی تصنیفات میں دلائل و براہین کے انبار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں کسی علوم و فنون کے ساتھ وہبی علم بھی حاصل تھا جس پر علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کا واقعہ اور ان کا تاثر شاہد و ناطق ہے۔

امام احمد رضا کی تقریروں، تحریروں اور تمام تصنیفات کا خلاصہ تین باتیں ہیں۔

۱۔ دنیا بھر کی ہر ایک لائق محبت و مستحق تعظیم چیز سے زیادہ اللہ و رسول کی محبت و تعظیم

۲۔ اللہ و رسول ہی کی رضا کے لئے اللہ و رسول کے دوستوں سے دوستی و محبت

۳۔ اللہ و رسول ہی کی خوشی کے لئے اللہ و رسول کے دشمنوں سے نفرت و عداوت۔ (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ جہاں بے پناہ گونا گوں خصوصیات کے حامل اور اوصاف متعددہ کے مالک ہیں وہاں ان کا ایک وصف ایسا ہے جو تمام اوصاف و کمالات کا جامع اور ممتاز ہے اور وہ ہے ''عشق مصطفیٰ ﷺ''، عشق رسول ہی کو انہوں نے سرمایۂ زندگی اور متاع آخرت سمجھا، عشق رسول ہی ان کا محور و مرکز تھا آپ ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرتے جایئے تو آپ کو ان کے ورق ورق میں عشق مصطفیٰ کے جلوے اور ان کی سطر سطر سے عشق رسول ﷺ کے سوتے پھوٹتے ہوئے نظر آئیں گے۔ خصوصاً ان کا نعتیہ دیوان۔ عشق رسالت ﷺ میں بے چین و مضطرب ہوتے تو اپنے محبوب آقا ﷺ کی مدح و نعت میں نعتیہ اشعار کہہ کر سوزش عشق سے تسکین حاصل کرتے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''جب سرکار اقدس ﷺ کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں ورنہ شعر وسخن میرا مذاقِ طبع نہیں''۔

انھوں نے ہزلیات اور لغویات سے بہت دور رہ کر فن کے بیشتر اصناف میں طبع آزمائی فرمائی۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد اور قطعات ورباعیت وغیرہ جس میدان کی طرف آ گئے سکے بٹھا دیئے۔

فن سخن میں ان کی خصوصیات وکمالات کا عالم یہ ہے کہ فصاحت وبلاغت، حلاوت وملاحت، لطافت ونزاکت، تشبیہات واستعارات، حسن تعلیل، ندرت تخیل، جدت تمثیل، صنعت تلمیح وترصیع، صنعت تجنیس وتسجیع، زورِ قوافی، بیان تسلسل، تنوع مضامین، انتہائی جوش وجذبہ والہانہ عقیدت وارادت وغیرہ سب چیزیں ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ جس کا منہ بولتا ثبوت ان کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' ہے جو حمد ونعت، دعا والتجا، سلام ومنقبت، عشق ومحبت، حقیقت ومعرفت، معجزات وکرامات، شرح آیات واحادیث وغیرہ مضامین کا ایک ایسا بحر ذخار ہے جس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ کرنا اہلِ بصیرت ہی کا کام ہے۔

علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت:

امام احمد رضا بریلوی جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں دلائل وبراہین کے انبار لگا دیتے ہیں، وہ کسی بھی مسئلے پر طائرانہ نظر ڈالنے کی بجائے بحث وتحقیق کی انتہا کو پہنچتے ہیں، مسائل کی تنقیح اور تفصیل پر آتے ہیں تو دریا کی روانی اور سمندر کی وسعت کا نقشہ نظر آتا ہے، متقدمین فقہاء کے اقوال مختلفہ میں تطبیق دیتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اختلاف تھا ہی نہیں۔

علمِ طب:

امام احمد رضا بریلوی وہ بالغ نظر مفتی ہیں جو احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے تمام امکانی ماٰخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ایک ماہر طبیب جب فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرتا ہے تو بیش بہا طبی معلومات دیکھ کر اسے حیرت ہوتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کسی مفتی کی تصنیف پڑھ رہا ہے یا ماہر طبیب کی۔ چنانچہ جناب حکیم محمد سعید دہلوی لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کسی لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اس لیے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقتِ نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے تحقیقی اسلوب ومعیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔''

مرجع العلماء:

یہ پہلو بھی لائق توجہ ہے کہ عام طور پر مفتیان کرام کی طرف عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور احکام شرعیہ دریافت کرتے ہیں، فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد اُن حضرات کی ہے جو بجائے خود مفتی تھے، مصنف تھے، جج تھے یا وکیل تھے۔

امام احمد رضا بریلوی کی جلالت علمی کا یہ عالم تھا کہ انھیں جو عالم بھی ملا عقیدت واحترام سے ملا اور ہمیشہ کے لئے ان کا مداح بن گیا، حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی، عظیم محدّث اور عمر میں بڑے ہونے کے باوجود امام احمد رضا بریلوی سے اس قدر والہانہ تعلق رکھتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ حضرت علامہ مولانا سراج احمد خانپوری اپنے دور کے جلیل القدر فاضل تھے اور علمِ حدیث میں تو انھیں تخصص حاصل تھا۔ الزبدۃ السراجیہ لکھتے وقت ذوی الارحام کی صنف رابع کے بارے میں مفتیٰ بہ قول دریافت کرنے کے لئے دیوبند، سہارنپور اور دیگر علمی مراکز کی طرف رجوع کیا، کہیں سے تسلی بخش جواب نہ آیا، پھر انہوں نے وہی سوال بریلی بھجوا دیا، ایک ہفتے میں انھیں جواب موصول ہو گیا جسے دیکھ کر ان کا دماغ روشن ہو گیا اور تازیست امام

احمد رضا بریلوی کے فضل و کمال اور تبحر علمی کے گُن گاتے رہے۔

لُطف کی بات یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی ان کی فقاہت اور تبحر علمی کے قائل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ امام احمد رضا بریلوی نے ندوۃ العلماء کی صلح کلیت کا سخت تعاقب اور رد کیا تھا، اس کے باوجود ندوہ کے ناظم اعلیٰ علامہ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب کفل الفقیہ شاہد ہے جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی۔''

مولانا کوثر نیازی ہندوستان گئے تو ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی گئے، واپسی پر انھوں نے اپنے تاثرات میں ندوہ کے بارے میں لکھا کہ اس کے ہال میں ہندوستان کے ممتاز علماء کا امتیازی مقام واضح کرنے کے لیے چارٹس آویزاں کئے گئے تھے، چنانچہ علمِ فقہ میں ممتاز شخصیت کی حیثیت سے حضرت مولانا احمد رضا خان کا نام لکھا ہوا تھا۔ تذکرہ و تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اس دور میں بڑے بڑے فقہاء ہو گزرے ہیں ان سب میں ممتاز فقیہ کے طور پر امام احمد رضا بریلوی کا نام منتخب کرنا اور وہ بھی ان کے مخالفین کی طرف سے، ان کے فضل و کمال کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَ عْدَآءُ

(فضیلت وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دیں)

عربی دیوان:

دنیا کی مختلف جامعات میں اعلیٰ حضرت کی علمی، ادبی اور دینی خدمات پر بے شمار مقالات ایم اے، ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر رقم کئے گئے، عربی اشعار کی تجمیع و تدوین کے لئے جامعۃ الازھر کے فاضل استاد حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ پاکستان تشریف لائے اور آپ نے یہاں قیام پذیر ہو کر نہایت محنت شاقہ سے اور استاد محترم جناب محمد عبدالحکیم شرف القادری اور دیگر علماء و مشائخ کے تعاون سے قبلہ حضرت صاحب کے عربی اشعار کو مجتمع کر کے کم و بیش سات سو پچانوے ابیات پر مشتمل ''بساتین الغفران'' کے نام سے دیوان مرتب کیا۔ یہ دیوان پہلی بار بین الاقوامی رضا اکیڈمی، لاہور اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے اشتراک سے 1997ء میں شائع کیا گیا۔ آپ کے اس دیوان کا مطالعہ کرنے سے آپ کی عربی زبان و ادب پر گرفت اور وسیع مطالعہ کے ساتھ ساتھ آپ کے ایک ''طباع شاعر'' ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آپ بلا شک و شبہ عربی شاعری کے اسلوب، ردیف و قوافی اور علمِ عروض کے ماہر اور کہنہ مشق شاعر کی حیثیت سے اپنا امتیازی مقام متعین فرماتے ہیں۔

هكذا يعترف فضله الدكتور ابراهيم محمد ابراهيم، رئيس قسم اللغة الأردية وآدابها كلية الدراسات الانسانية بجامعة الأزهر الشريف حيث يقول عنه: فان شعره يؤ هله لأن يكون في طليعة صفوف شعراء العربية في شبه القارة.

لم يقف الأمر الى هذا الحدّبل كتب عنه جامع ديوانه الشيخ حازم مقالاًآخر تحت عنوان: شيخ مشائخ التصوف الاسلامي وأعظم شعراء المديح النبوي في العصر الحديث وكذلك للدكتور رزق مرسى أبي العباس بحث أدبي عنوانه:

''الامام احمد رضا خان مصباح هندى بلسان عربى''

ومن ذالك مقال الأستاذالدكتور القطب يوسف زيد يتضمنه ''الكتاب التذكارى'' تحدّث فيه بالتفصيل عن رسالة تخصص الماجستير للأستاذ ممتاز احمد السديدى التى عنوانها''الشيخ احمد رضا خان البريلوى الهندى شاعرا عربياً''

اردو دیوان:

حدائق بخشش۔ تحقیق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ انگریزی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر غیاث الدین، برمنگھم، برطانیہ۔ Montly Islamic Times

فارسی دیوان:

ارمغان رضا۔ تحقیق و تدوین پروفیسر محمد مسعود احمد۔ 154 اشعار المختار پبلی کیشنز۔ کراچی 1994ء۔

حیاتِ اعلیٰ حضرت کا جائزہ
سوانح نگاری کے اصول وضوابط کی روشنی میں

از قلم: محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی حیاتِ طیبہ اُمتِ مسلمہ کیلئے درسِ عمل اور مشعلِ راہ ہے۔ اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے کئی محققین اور مصنفین نے آپ کی مبارک زندگی پر کتب تحریر کیں۔ لیکن ان کتب میں جو مقام حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری (المتوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کی کتاب ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کو حاصل ہے وہ کسی کو نہیں مل سکا۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت ملک العلماء جو اعلیٰ حضرت کے تلمیذِ خاص اور محبوب خلیفہ تھے نے طویل عرصہ تک امام احمد رضا کے مقدس شب وروز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے مشاہدات کو قلم بند کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کے مُریدِ خاص مولانا سید ایوب علی رضوی کے مشاہدات وروایات کا ایک بڑا حصہ انہی کے الفاظ میں اس کتاب میں شامل کیا۔ ان وجوہات کی بنیاد پر ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت ملک العلماء نے حیاتِ اعلیٰ حضرت کا آغاز ۱۹۳۸ء میں فرمایا۔ یہ اعداد کتاب کے نام سے حاصل ہوتے ہیں جبکہ اختتام بارہ سال بعد ۱۹۵۰ء میں فرمایا جس کا ہجری سن ۱۳۶۹ ہے۔ اسی لیے تاریخی نام ''مظہر المناقب'' تجویز فرمایا۔ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اشاعت کیلئے پہلی جلد حضرت مولانا ظفر الدین بہاری نے مکتبۂ رضویہ کراچی کو بھیجی جس نے ۱۹۵۵ء میں اسے شائع کیا۔ بقیہ تین جلدیں طبع نہ ہوسکیں۔ تاخیر پر تاخیر ہوتی چلی گئی۔ ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا کے مصداق بہت سی وجوہات تھیں جن کی بناء پر کتاب بروقت شائع نہ ہوسکی۔ تاخیر کی وجوہات کئی بار شائع ہوچکی ہیں۔ یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ الغرض تاخیر کی وجہ سے انتظار میں شدت پیدا ہونے لگی۔ یہاں تک کہ چہار سمت سے اس کی اشاعت کا مطالبہ پرزور انداز میں اٹھایا جانے لگا۔ پٹنہ کے علامہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی صاحب نے ہمت کی اور مولانا محمود احمد قادری رفاقتی صاحب سے جلد نمبر ۱، ۲ اور ۴ کا مسودہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جلد سوم انھیں نہ مل سکی۔ انھوں نے اشاعت سے قبل حیاتِ اعلیٰ حضرت کی نئی ترتیب لگانے کی ٹھانی۔ اور تحقیق وترتیب کا عمل شروع کردیا جو تقریباً پانچ برس جاری رہا۔ آخر وہ گھڑی آہی گئی کہ حیاتِ اعلیٰ حضرت طباعت کیلئے پریس بھیج دی گئی۔ طباعت کی ذمہ داری اہل سنت کی مشہور ومعروف تنظیم رضا اکیڈمی بمبئی نے قبول کی۔ محترم قارئین! عین اُس وقت جبکہ حیاتِ اعلیٰ حضرت بمبئی سے شائع ہونے والی تھی کہ اچانک اس کتاب کا دوسرا مسودہ ملک العلماء کے صندوق میں ان کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد کو مل گیا۔ اور وہ اشاعت کیلئے محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کے سپرد کردیا گیا۔ انھوں نے سوانح نگاری کے جدید اصولوں کی روشنی میں ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی پیرابندی کی ضرورت محسوس کی اور حیاتِ اعلیٰ حضرت پر کام شروع کردیا۔ پیرزادہ صاحب کہنہ مشق قلم کار اور زود نویس مصنف ہیں۔ انھوں نے اس عمل میں دیر نہیں کی اور جلد از جلد اپنا کام مکمل کرلیا۔ جسے انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے ''ہم اس قلمی مسودے کو پڑھتے چلے گئے۔ اس کی پیرابندی کی، عنوانات قائم کیے، مروجہ اندازِ املا اپنایا اور اسے کمپیوٹر کے حروف سے سجا کر آپ کے سامنے لے آئے۔'' (۱)

خیریت رہی کہ انھوں نے پیرابندی اور عنوانات قائم کرنے پر اکتفا کرلیا اور ترتیب نہیں بدلی جبکہ بمبئی کے نسخے میں پوری ترتیب بدل دی گئی۔ ترتیب بدلنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی صاحب لکھتے ہیں: ''تیسری جلد سے مایوس ہوکر دوسری

اور چوتھی جلد کو پہلی مطبوعہ جلد کے ساتھ ملا کر مطالعہ کیا تو واضح ہوا کہ کتاب موجودہ ترتیب کے ساتھ پرانے وقتوں میں جا ہے جس قدر مفید رہی ہو، آج کے لحاظ سے ہرگز موزوں نہیں۔ پھر کتابت کی غلطیوں نے تو بے شمار مقامات پر مطلب ہی خبط کر دیا ہے۔ اس لیے اسے خام مواد مان کر از سرِ نو ترتیب و تہذیب کی ضرورت تھی۔ یعنی کہیں کہیں سے دوسری جلد کے کچھ حصے چوتھی جلد میں، چوتھی جلد کے کچھ حصے دوسری اور چوتھی جلد میں لائے جائیں، بلکہ خود ایک ہی جلد کے کچھ حصوں میں بھی تقدیم و تاخیر کی جائے، مکررات حذف کیے جائیں اور اغلاط کی درستگی ہو نیز پیرابندی کی جائے، ڈیش اور کامے لگائے جائیں۔'' (۲)

ہمیں ان دونوں مرتبین و ناشرین کی نیت پر شبہ نہیں۔ یقیناً انھوں نے یہ کام حیاتِ اعلیٰ حضرت کو سنوارنے اور نکھارنے کی نیت سے کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا مصنف کی اجازت کے بغیر اسکی کتاب میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے؟ ان سوالات کے ساتھ ساتھ یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ کیا عنوانات قائم کرنے، پیرابندی کرنے اور ترتیب بدلنے سے کتاب سوانح نگاری کے اصولوں کے مطابق ہوگئی ہے؟ ان سوالات کا جواب دینے سے قبل مناسب سمجھتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ سوانح نگاری کی تعریف و تاریخ اور اس کے اصول وضوابط تحریر کردوں۔

سوانح نگاری کی تاریخ۔ سوانح کا لفظ عربی سے اردو میں آیا ہے جس کے معانی فیروز اللغات میں واقعات، حادثات، روئیداد، اور حالات بیان کیے گئے ہیں: (۳) Oxford Dictionary میں اسکی مندرجہ ذیل تعریف کی گئی ہے:

"The history of lives of individual man as a branch of literature".

Encylopedia of Britanica میں اس کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"Biogrophy, narrative which seeks consciously and artistically to record the action and recreate the personality of individual life". (۴)

سوانح نگاری کا سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلی سوانح عمری دوسری صدی عیسوی میں پلوٹارک نے لکھی۔ (۵) لیکن بعض محققین نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے:

''پلوٹارک کی تصنیف ''مشاہیر یونان و روما'' میں شامل سوانح عمریاں ایسا نہیں کہ قدیم ترین سوانح عمریاں ہوں، عہد نامہ قدیم، زردشتی لٹریچر اور ہندوستانی ادبیات میں سوانح عمریوں کے واضح نمونے ملتے ہیں۔ (۶)

اسلامی سوانح نگاری کا آغاز:

سوانح نگاری مسلمانوں کے فنون میں سے ایک اہم فن ہے اور اسکا آغاز اسلامی تاریخ نویسی سے پہلے ہوگیا تھا۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کی تدوین و تالیف کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوگیا تھا۔ اور اسلامی تاریخ نویسی کا آغاز تیسری صدی ہجری میں ہوا۔ گویا تذکرہ نویسی یا سوانح نگاری کو تاریخ نویسی پر تقدم زمانی حاصل ہے۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعد سوانح نگاری حدیث کے راویوں کے حالات جاننے کا ذریعہ بنی رہی اس طرح علم اسماء الرجال کے فن کی مستقل بنیاد رکھی گئی۔ (۷) اگرچہ تاریخ اور سوانح نگاری کو بالکل الگ نہیں کیا جاسکتا لیکن دونوں میں ایک لطیف سا فرق یہ ہے کہ سوانح عمری کا بنیادی موضوع انسان ہے اور تاریخ افراد اور ممالک کی کامیابی اور ناکامی کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ سوانح نگار کو حادثات و واقعات سے صرف اتنا ہی تعلق ہوتا ہے جس سے موضوع کی شخصیت کو نمایاں کرنے میں مدد ملے۔

سوانحی مواد:

سوانحی مواد سے مُراد وہ مواد ہے جس کی مدد سے سوانح تحریر کی جاتی ہے اس میں سب سے زیادہ اہمیت ان تحریروں، روزنامچوں، یادداشتوں خطوط اور اسی نوع کی دیگر تحریروں کی ہے جو صاحب سوانح نے خود لکھی ہوں۔ اسکے بعد خود اسکے اقوال و اعمال، گفتار و کردار تیسرا ماخذ احباب، معاصرین، اخبارات، رسائل وغیرہ ہیں۔ اسکے علاوہ سوانح نگار کی ذاتی معلومات بھی اہمیت کی حامل ہیں بشرطیکہ اسکا صاحب سوانح سے قریبی تعلق رہا ہو۔ دوسروں کی بیان کی ہوئی باتوں پر بھی چھان بین کے بعد اعتماد کیا جاسکتا ہے سوانحی مواد میں وہ مواد بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے جو صاحب سوانح کے خاندان کے کسی فرد نے بطور یادگار مرتب کیا ہو۔

سوانح کی اقسام:

خودنوشت آپ بیتی، سوانحی ناول، تذکرے اور قلمی خاکے سوانح کی اقسام ہیں۔ البتہ تذکروں اور قلمی خاکوں میں صاحب سوانح کی زندگی کا ایک یا چند مخصوص پہلو ملتے ہیں۔

سوانح نگاری کے اصول:

سوانح نگاری کے اصول وضوابط جن کی روشنی میں سوانح تحریر کی جاتی ہے مندرجہ ذیل ہیں:

۱. سوانح نگار کا راست باز ہونا:

سوانح نگار کا راست باز ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ سوانح میں وہ بہت کچھ اپنی طرف سے ملا دے گا۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی نے سوانح نگار کا دین دار ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے۔(۸)

۲. سوانح نگاری کی ذھنی مطابقت:

سوانح نگار کی صاحبِ سوانح سے ذہنی مطابقت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ مطابقت موجود نہ ہو تو موضوع کے محاسن بھی معائب میں بدل جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی سوانح نگار جسے شاعری سے دلچسپی نہ ہو وہ میر وغالب کی سوانح عمریاں لکھے تو ان کے شاعرانہ مزاج کو سمجھنے اور بیان کرنے سے قاصر رہے گا۔

۳. ماخذ ومراجع کی مضبوطی:

سوانح کے حوالہ جات کو روایت و درایت کے اصولوں کی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ غیر مصدقہ باتوں اور جھوٹی روایتوں سے گریز وپرہیز بہت ضروری ہے۔ سوانحی مواد کے بیان میں گذشتہ سطور میں ماخذ ومراجع کی اہمیت ترتیب وار بیان کردی گئی ہے۔

۴. اسلوبِ بیان:

اسلوب بیان عام فہم اور سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہونا چاہئے۔ ناول اور ڈرامے کی طرح سوانح کو تخیلاتی یا تصوراتی نہیں نہیں ہونا چاہئے۔ ادبی تقاضوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ بڑی سے بڑی شخصیت وافر مواد کی موجودگی کے باوجود سوانح نگار کی کوتاہ قلمی اور طرزِ ادا کی بدسلیقگی سے مجروح ہوسکتی ہے۔ جبکہ ایک اچھی سوانح موضوع، مواد اور اندازِ بیان کے حسین امتزاج سے معرضِ وجود میں آتی ہے۔

۵. مبالغہ آرائی وخوشامدسے گریز:

صاحبِ سوانح کی شان میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے سے بچنا چاہیے۔ یونہی خوشامد سے بھی گریز کرنا چاہئے۔ خوشامد سے سوانح کا حسن گہنا جاتا ہے جیسے ابوالفضل نے اکبرنامہ میں خوشامد سے کام لیا ہے۔(۹)

٦. واقعات کے بیان میں توازن:

واقعات کے بیان میں توازن ہونا چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ غیر ضروری واقعات کو طول دے دیا جائے اور ضروری واقعات کو نظرانداز کردیا جائے۔ یونہی ایک ہی واقعہ کو بار بار دہرانے سے گریز کیا جائے۔ توازن سے ہماری مراد یہ بھی نہیں کہ اہم جزئیات چھوڑ دی جائیں۔ بعض اوقات کسی چھوٹی سی معمولی بات سے بھی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جیسا کہ جیمز باسول کہتا ہے: "ایک شخصیت کی سوانح میں صرف یہی نہیں کہ عظیم واقعات کو بیان کردیا جائے بلکہ ان باتوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو اس نے نجی طور پر لکھیں کہیں یا سوچیں۔ اس طرح پڑھنے والے ایک زندہ انسان کو دیکھ سکیں گے۔ اس صورت کے علاوہ میرے ذہن میں سوانح نگاری کا تصور آ ہی نہیں سکتا۔"(۱۰)

۷. ترتیب وتسلسل:

واقعات کی ترتیب اس انداز میں ہونی چاہیے کہ ان میں ربط وتسلسل قائم رہے۔ لیکن خیال رہے کہ واقعات کا تسلسل ایسا نہ ہو کہ اس سے سوانح میں خشکی پیدا ہوجائے۔ بلکہ سوانح نگار، سچائی اور اظہار بیان کی دلکشی سے سوانح میں تصویر کشی کی کیفیت پیدا کردے۔

۸. واقعات کے ساتھ اس عھد کی عکاسی:

سوانح عمری کامیاب وہی ہے جو صاحبِ سوانح کے عہد کی منظر کشی کرے۔ ماحول کے صاحبِ سوانح پر اور صاحبِ سوانح کے ماحول پر اثرات کی وضاحت کرے۔ یونہی صاحب سوانح کے متعلقین، یعنی، تلامذہ، احباب، اولاد وغیرہ ہر اسکے اثرات بیان کرے۔

۹. حفظِ مراتب کاخیال:

سوانح نگار کو حفظِ مراتب کا خیال رکھنا چاہئے۔ کوئی ایسی عبارت یا لفظ نہیں لکھنا چاہیے جس سے کسی کی عزت پر حرف آئے۔ بزرگوں کے نام ادب واحترام کے ساتھ لکھے جائیں۔ جدید محققین زیادہ القاب وآداب

کے حامی نہیں لیکن راقم الحروف کا خیال یہی ہے کہ اسلام ہمیں ادب سکھاتا ہے اور ادب واحترام کا دامن ہمیں کبھی بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۱۰۔ صحتِ سنین کا التزام:

واقعات تحریر کرتے ہوئے سن وسال درست لکھنے کا التزام ہونا چاہیے۔ تلك عشرة كاملة۔

سوانح نگاری کے فوائد:

سوانح عمریوں کے مطالعہ کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ گذشتہ لوگوں کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ ان کی کامیابیوں سے آدمی سبق سیکھتا ہے اور ناکامیوں سے بچنے کا عہد کرتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بزرگان دین اور سلف صالحین کی حیاتِ طیبہ کے مطالعہ سے اعلیٰ اخلاقی جذبات بیدار ہوتے ہیں۔ طبیعتوں میں ولولہ اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ دین وملت کی خاطر کچھ کرنے کی تڑپ اور لگن پیدا ہوجاتی ہے۔

حیاتِ اعلیٰ حضرت کا جائزہ:

اب آیئے حیاتِ اعلیٰ حضرت کی جانب اور دیکھیے کہ سوانح نگاری کے مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں اس پر کہاں تک کلام ہوسکتا ہے۔ کچھ کہنے سے قبل یہ بات یاد رکھیے کہ اردو زبان میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء بتدریج ہوا ہے، یعنی ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ کے دور میں سوانح نگاری کا فن ایسا ترقی یافتہ نہیں تھا جیسا کہ آج ہے۔ اسی لیے حیاتِ اعلیٰ حضرت میں سوانح نگاری کے اصولوں کا کچھ ایسا اہتمام نظر نہیں آتا۔ ترتیب وتسلسل کے فقدان کا احساس جگہ جگہ ہوتا ہے۔ واقعات کے بیان میں توازن نہیں ہے۔ الملفوظ جو کہ الگ سے بارہا شائع ہوئی ہے اس کا ایک معتدبہ حصہ شامل کرلیا گیا ہے۔ بعض واقعات کو دو دو تین تین مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ بعض مقامات پر زبان وبیان کی کجی محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ پر حضرت سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمۃ کا تحریر کردہ سارا مواد بلاکم وبیش حضرت ملک العلماء نے اپنی کتاب میں شامل کرلیا۔ حضرت سید ایوب علی صاحب کوئی کہنہ مشق ادیب نہ تھے اس لئے وہ اپنی تحریر میں اعلیٰ درجہ کی نثر تخلیق نہ کرسکے جبکہ ملک العلماء بے حد مصروف شخصیت تھے اس وجہ سے (انہیں نظرِ ثانی کی فرصت نہ ملی اور وہ) اصلاح نہ کرسکے اور رضوی صاحب کا تحریر کردہ تمام مواد بعینہٖ شامل کرلیا (تاکہ اعلیٰ حضرت کے واقعات وحالات ریکارڈ پر آجائیں ممکن ہے بعد میں انہیں کوئی ترتیب دے لے)۔ انھی چند باتوں کا احساس کرتے ہوئے مرتبین وناشرین نے عنوانات قائم کیے، پیرابندی کی، حذف واضافہ کیا۔ لیکن دیانت کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ مصنف کی تحریر کو علیٰ حالہٖ رہنے دیتے۔ البتہ جن مقامات پر انھیں اختلاف تھا وہاں حاشیے میں وضاحت کردیتے۔ اب آیئے دیکھئے مرتبین وناشرین کے تصرفات سے حیاتِ اعلیٰ حضرت پر کیا اثر پڑا۔ پہلے ایک نظر بمبئی کے نسخے پر:

''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' مطبوعہ بمبئی پر ایک نظر:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ بمبئی کا ایڈیشن حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی صاحب کی تحقیق وترتیب سے شائع ہوا۔ آپ نے ترتیب بدلنے کے ساتھ ساتھ ایک اور کام بھی کیا اور وہ ہے اغلاط کی تصحیح۔ اسکے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں: ''غیر مطبوعہ جلدوں کو مسودے سے نقل کرنے کی خدمت ملک العلماء نے جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار میں شرح جامی پڑھنے والے دو شاگردوں سے لی تھی استاذی حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی اور حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رشیدی۔ حضرت خواجہ صاحب کے بقول مبیضہ کرتے وقت مسودہ کے الفاظ ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ حضرت ملک العلماء کی ڈانٹ سے بچنے کیلئے اپنے طور پر ہو بہو نقل کردیتے یا پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ کہیں کوئی سطر چھوٹ جاتی تھی تو اسے حاشیہ میں یا بین السطور لکھتے بھی نہیں تھے اور مکرر ہوجاتی تو قلم زد بھی نہیں کرتے تھے''۔ (۱۱) یہ لکھنے کے بعد مفتی صاحب نے کچھ صفحات کے عکس دیے ہیں جوان کے خیال میں غلط شائع ہوئے اور اسکے بعد ''صحیح یہ ہے'' کہہ کرانھوں نے تصحیح فرمائی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس تصحیح میں بھی کئی مقامات پر تصحیح کی گنجائش موجود ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں لہٰذا اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آگے دیکھئے حضرت مرتب نے کئی مقامات سے پوری پوری عبارت ہی حذف کردی ہے۔ جبکہ جلد سوم جو دراصل جلد چہارم ہے میں حذف کا یہ سلسلہ اتنا بڑھا ہے کہ کئی کئی صفحات حذف کردیے ہیں۔

مثلاً صفحہ ۲۹۳ سے آگے حضرت محدث کچھوچھوی کا پانچ صفحات کا مضمون ترک کردیا ہے۔ مولانا قاری احمد میاں پیلی بھیتی کی روایت خارج کردیں اسے مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۱۰۲۷ تا ۱۰۳۲ تک ملاحظہ فرمائیں۔

''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' مطبوعہ لاہور پر ایک نظر:

۱۰۷۷ صفحات پر مشتمل یہ بھاری بھرکم کتاب مکتبہ نبویہ لاہور نے شائع کی ہے۔ جسے ایک نگراں بورڈ نے پیرا بندی اور عنوانات قائم کرکے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے نہ صرف صفحہ صفحہ پر بلکہ سطر سطر پر رہنمائی کی ہے۔ جبکہ محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ کے تحریر کردہ طویل جملوں کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں تبدیل کیا ہے۔ لیکن اگر یوں کہا جائے کہ طویل پیراگرافوں کو چھوٹے پیراگرافوں میں تبدیل کیا ہے بلکہ حذف کردیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

مکتبہ نبویہ کی اس اشاعت پر معروف قلم کار حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا: ''مولانا اقبال احمد فاروقی صاحب نے عجلت پسندی اور سبقت لے جانے کے جذبے کے تحت جو بے ترتیب دو جلدیں شائع کی ہیں وہ قابل افسوس ہے۔۔۔۔ عجیب بات ہے کہ فاروقی صاحب نے کافی ضخیم ایک ہی جلد کردی اس پر بھی جلد اول، دوم کچھ نہیں لکھا البتہ دوسری جلد بعینہ پٹنہ ایڈیشن ہے اور اس پر مرتب کی حیثیت سے حضرت مفتی مطیع الرحمان صاحب کا نام بھی ہے''۔ (۱۲)

صفحہ ۳ پر انتساب ڈاکٹر مختار الدین احمد کے نام ہے۔ جبکہ حضرت ملک العلماء نے انتساب موصوف کے نام نہیں کیا تھا۔

صفحہ ۲۳ پر حیات اعلیٰ حضرت ستر سال بعد چھپنے کا ذکر ہے۔ یہ درست نہیں۔

کتاب ۵۳ برس بعد شائع ہوئی ہے۔ اسکے بعد عنوانات جو فاروقی صاحب نے قائم کیے ہیں۔ ان کی غلطیاں لکھی جارہی ہیں۔

صفحہ ۶۴ پر لکھا ہے اپنے والد حضرت مولانا اعظم خان۔۔۔ الخ یہ غلط ہے۔ مولانا نقی علی خان کے والد محترم کا نام مولانا رضا علی خان تھا۔

صفحہ ۶۸ پر لکھا ہے ''شاہ آلِ رسول کی رحلت'' ہونا چاہیے ''مولانا نقی علی خان کی رحلت''، چونکہ بیان انھی کے احوال پر مشتمل ہے اور سیاق وسباق سے یہی ظاہر ہے۔

صفحہ ۲۳۲ پر مولانا شاہ اسمٰعیل شاذلی کی تاریخ وفات پر مشتمل نظم کا عنوان ''تاریخ آخر'' موجود ہے مگر پوری کی پوری نظم غائب۔

صفحہ ۲۴۳ پر حاشیہ از مرتب ہے ''یہ ان کا قیاس تھا، ڈاکٹر ضیاء الدین پہلے سے داڑھی رکھتے تھے اور طالب علمی کے زمانے میں ان کی داڑھی تھی''۔ یہ حاشیہ مکتبہ رضویہ کراچی کی اشاعت میں موجود نہیں۔ حیرت ہے کہ مرتب نے اس نئی بات کا حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

صفحہ ۲۹۹ پر شاگردوں کی فہرست میں پانچویں نمبر پر لکھا ہے ''جناب مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب اور چھٹے نمبر پر لکھا ہے حجۃ الاسلام، صاحبزادۂ اکبر۔ حالانکہ پانچویں اور چھٹے سے مراد ایک ہی شخصیت ہیں۔

صفحہ ۳۸۶ پر سرخی ہے۔ ''علمائے مدینہ اعلیٰ حضرت کے زیادہ دیر تک قیام۔ الخ۔ ہونا چاہیے:

''علمائے مکہ، اعلیٰ حضرت کے زیادہ دیر تک قیام''

صفحہ ۴۱۷ پر اعلیٰ حضرت کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خان اور مولانا جمیل الرحمٰن کے درمیان معاملہ کا ذکر ہے مگر فاضل مرتب نے بھتیجے لکھنے کے بجائے ''اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ'' لکھ دیا۔

صفحہ ۸۸۱ پر اعلیٰ حضرت کا بعد وصال اپنے ایک معتقد کی مدد کرنے کا بیان ہے جبکہ سن ۱۳۳۷ھ لکھا ہے۔ یہ سن درست نہیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا وصال ۱۳۴۰ھ میں ہوا تھا۔

صفحہ ۹۲۵ پر عنوان ہے ''جہاں بیس سچے مسلمان ہوں'' الخ ہونا چاہیے ''جہاں چالیس سچے مسلمان ہوں''

صفحہ ۵۶۵ پر عنوان ہے مکتوب نمبر ۱۹۳ والا نامہ جناب مولانا مولوی حکیم محمد یوسف صاحب نمبر ۱۹۳ سے لے کر ۱۹۹ تک تمام خطوط حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے ہیں۔

صفحہ ۱۰۰۳ پر باب کا عنوان ہے ''اعلیٰ حضرت، اکابر اہل سنت کی نظر میں'' اس باب کے پہلے صفحہ پر حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ کا نام بطور عنوان دوبار لکھا ہے جبکہ ایک بار ہی چاہیے تھا۔

اسی صفحہ پر دوسرے نمبر پر اور صفحہ ۱۰۰۴ کے دوسرے نمبر پر لکھا ہے

''مولوی جلیل الرحمان خان کے تاثرات'' یہ مولوی جلیل الرحمان نہیں بلکہ مولانا جمیل الرحمان ہیں۔ انھوں نے شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی کے تاثرات بیان کیے ہیں۔ تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ عنوان میں انھی کا نام دیا جاتا۔ اس طرح موضوع سے مطابقت بھی پیدا ہوجاتی۔ محترم فاروقی صاحب نے پیرابندی کے ساتھ ساتھ ابواب بندی بھی کی ہے۔ ابواب کے عنوانات بھی تحریر کیے ہیں۔ اکثر ابواب کے نام ان کے مضمون سے مطابقت نہیں رکھتے مثلاً صفحہ ۴۶۳ پر باب کا عنوان ہے اعلیٰ حضرت کی خوابیں اور بشارتیں جبکہ پورے باب میں خوابیں اور بشارتیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں اس باب کا عنوان ہونا چاہیئے تھا ''مسئلہ خلافت و آزادی ھند''۔

صفحہ ۱۰۱۸ پر عنوان ہے ''مؤلف کتاب کی زبانی، اعلیٰ حضرت کی زندگانی کے آخری لمحات کا تذکرہ۔'' جبکہ صحیح یوں ہے ''مولانا حسنین رضا خاں کی زبانی۔۔۔'' الخ

صفحہ ۱۰۴۶ پر ''اراکین جماعت خدام اہلِ سنت جبلپور'' عنوان غلط ہے۔

صفحہ ۱۰۷۶ پر کتاب ختم ہوجاتی ہے جبکہ دعوت نامہ چہلم شریف چھوڑ دیا گیا ہے۔ یونہی اعلیٰ حضرت کے ۵۷ مکتوبات کو بھی خارج کردیا گیا ہے۔

جی تو بہت کچھ لکھنے کو چاہتا ہے لیکن کچھ خوف فسادِ خلق اور کچھ معارفِ رضا کی مجلسِ ادارت کی یہ پابندی کہ مقالہ چھ صفحات سے زائد نہ ہو کی وجہ سے انھی الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں۔ محبانِ رضا کیلئے خوشخبری یہ ہے کہ مولانا پیر محمد احمد صاحب قادری رفاقتی، حیاتِ اعلیٰ حضرت کا مستند نسخہ شائع کرنے کیلئے کمر بستہ ہوگئے ہیں۔ لیکن ڈر ہے کہ یہ اعلان۔ ''وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوگیا'' کے قبیل سے نہ ہو۔

جامع سوانح امام احمد رضا کی ضرورت:

حیاتِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے بعد بھی ایسی جامع سوانح امام احمد رضا کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے جو اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت کے علاوہ بھی کئی ایسی کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں جو اعلیٰ حضرت کی حیاتِ پاک کے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بطور مثال چند کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ''سیرت و کراماتِ اعلیٰ حضرت'' از: مولانا حسنین رضا خاں بریلوی
(۲) ذکرِ رضا (منظوم)
از خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا محمود جان جام جودھپوری
(۳) ''مجددِ اعظم'' خطاب حضرت محدث کچھوچھوی
(۴) ''اکرام امام احمد رضا'' از حضرت مفتی برہان الحق جبلپوری
(۵) ''تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبانِ صدرِ شریعت''

جامع سوانح امام احمد رضا کی خوبی یہ ہوگی کہ وہ حیاتِ اعلیٰ حضرت کے اہم مضامین کے ساتھ ساتھ ان کتب کے مضامین کو بھی اپنے اندر سمولے گی۔ میں بھی دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا کریں کہ جامع سوانح امام احمد رضا جلد منظرِ عام پر آجائے۔ آمین!

حوالہ جات

(۱) اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ، تالیف سے طباعت تک، مشمولہ ماہنامہ جہانِ رضا، ص ۹ شمارہ نمبر ۱۱۳ جلد نمبر ۱۲۔
(۲) محمد مطیع الرحمٰن رضوی، مفتی، گفتنی، مشمولہ، حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۵، بمبئی۔
(۳) فیروز الدین، مولوی، الحاج، فیروز اللغات، ص ۸۱۷، فیروز سنز، لاہور۔
(۴) ممتاز فاخرہ، ڈاکٹر، اردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء ص ۲۳، رونق پبلشنگ ہاؤس، دھلی۔
(۵) نذیر عابد، حالی کی سیرت نگاری، غیر مطبوعہ مقالہ ایم۔اے، ص ۸ پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔
(۶) تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، اردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء، ص ۷۔
(۷) شریف احمد شرافت نوشاھی، سید شریف التواریخ، ص ۱۸ ج ۱، ادارہ معارفِ نوشاہیہ، گجرات، ۱۹۷۹ء۔
(۸) محمد سہیل بھٹی، مسلم برصغیر میں تاریخ نویسی، ص ۵۸، ڈوگر سنز لاہور، ۱۹۹۴ء۔
(۹) ایضاً، ص ۱۷۴۔
(۱۰) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تذکرہ مظہر مسعود، ص ۶، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۶۹ء۔
(۱۱) محمد مطیع الرحمٰن رضوی، مفتی، گفتنی مشمولہ حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۸۔
(۱۲) محمد عبدالمبین نعمانی، مولانا، سرگذشت حیاتِ اعلیٰ حضرت مشمولہ سہ ماہی افکار رضا، ج ۱۱، شمارہ ۱، ص ۱۱۱۔

رضا تحقیقی و علمی منصوبہ................ایک اہم گزارش

(Raza Higher Educational Research Project)

ادارے نے اعلیٰ حضرت پر پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے خواہش منداسکالرز کی رہنمائی کے لئے ''رضا ہائر ایجوکیشنل ریسرچ پروجیکٹ'' تیار کیا ہے جس کا ابتدائی کام اعلیٰ حضرت پر تحقیق کرنے والے بین الاقوامی اسکالرز کی تیز رفتار بڑھتی ہوئی ضروریات کو بروقت پورا کرنے کے لئے تحقیقی خاکوں (Research Plans) کی تیاری ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت مختلف عنوانات پر تقریباً ایک ہزار تحقیقی خاکوں کو مدن کر کے کتابی شکل میں اسکالرز کو رہنمائی کی سہولیات مہیا کرنا ہے۔اس لئے تمام اسکالرز، علماء، محقق اور پروفیسر حضرات صاحبان سے گذارش ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کی مناسبت سے ہمیں فقہ، حدیث، سیاسیات، اردو، فارسی، عربی زبان و ادب اور شاعری کی خصوصیات، سوشیالوجی، جدید علوم، تعلیمی نظریات وغیرہ پر مختلف عنوانات کے حوالہ سے تحقیقی خاکے (Research Plans) ارسال فرمائیں تا کہ عالمی سطح پر یونیورسٹی کے طلباء اور اسکالرز کی رہنمائی کی جا سکے۔

اس حوالہ سے ایک منفرد ریسرچ پلان شاملِ اشاعت ہے جو محترم پروفیسر دلاور خان* صاحب نے مرتب کیا ہے۔ہم ان کے ممنون ہیں اور ان کے شکریہ کے ساتھ معارف میں شائع کر رہے ہیں۔اس عنوان پر لاہور کی محترمہ ناہید فاطمہ صاحبہ تحقیق کر رہی ہیں۔اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اس عنوان سے متعلقہ مواد ہمیں روانہ کریں تا کہ بہتر انداز میں پی۔ایچ۔ڈی مقالہ کی تکمیل ہو سکے۔ ﴿ادارہ﴾

مولانا احمد رضا خان کے تعلیمی افکار کا تحقیقی جائزہ

ابتدائی صفحہ

سرورق	Title
منظوری	Acceptance
ہدیۂ تشکر	Aknowledgment
فہرستِ ابواب	List of Chapters
فہرست جداول	List of Tables

* پرنسپل جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملیر

پہلا باب

تعارف

۱۔پس منظر (Background)

الف: پاکستان کے موجودہ تعلیمی مسائل اور وجوہات کو مفصل بیان کیا جائے گا۔

ب: مذکورہ تحقیق کی اہمیت (Significance) مذکورہ عنوان پر تحقیق کی ضرورت اور اہمیت مفصل بیان کی جائے گی۔

ج: مذکورہ عنوان پر تحقیق کا جواز (justification) جواز تحقیق ثابت کرنے کے لیے زیر تحقیق عنوان کے تعلیمی اثرات و فوائد کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

د: اعتذار (Limitation) اس حقیقت کا اظہار کیا جائے گا کہ وہ کون کون سے امور ہیں جنہیں مجبوری کی بناء پر شامل تحقیق نہیں کیا جاسکا۔

ہ: تحدید (Delimitation) تحقیقی عنوان کی وسعت و حدود کی وضاحت کی جائے گی۔

۲۔مقاصد تحقیق: (Objectives of research) بڑی دانش مندی کے ساتھ مقاصد تحقیق متعین کیے جائیں گے۔

۳۔تشریح اصطلاحات مقالہ: (Explanation of terms)

۴۔متعلقہ مواد کا جائزہ: (Review of literature)

مولانا احمد رضا خان کے تعلیمی افکار پر ایم۔ایڈ کی سطح پر تقریباً ۱۵ مقالہ جات، کتب اور مضامین کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

۵۔طریقہ کار: (Procedure) موضوع پر تحقیق کرنے کے اسلوب کی نوعیت اور کیفیت بیان کی جائے گی۔

دوسرا باب

مولانا احمد رضا خان کی سوانح حیات

(مولانا احمد رضا خان کی سوانح حیات تحقیقی اصولوں اور تقاضوں کے مطابق مدون کی جائے گی)

تیسرا باب

عہد رضا میں برطانوی نظام تعلیم کا تنقیدی جائزہ

چوتھا باب

مولانا احمد رضا اور علمی خدمات

پانچواں باب

دارالعلوم منظر اسلام کے قیام اور خدمات کا تفصیلی جائزہ

چھٹا باب

تعلیمی تحریک کے فروغ میں مولانا احمد رضا خاں کا کردار

ساتواں باب

مولانا احمد رضا کے فلسفہ علم کا تحقیقی جائزہ

آٹھواں باب

مولانا احمد رضا کے تعلیمی افکار کا تجزیہ

نواں باب

مولانا احمد رضا کے طریق تحقیق کا تجزیہ

دسواں باب

معروف مفکرین تعلیم میں مولانا احمد رضا خان کا مقام

گیارھواں باب

عالمی نصابیات اور مولانا امام احمد رضا خان

بارھواں باب

مولانا احمد رضا کے تعلیمی افکار کا عملی اطلاق

تیرھواں باب

خلاصہ تحقیق، نتائج، سفارشات، کتابیات اور ضمیمہ جات درج کیے جائیں گے

Summary, finding, Recommendation, Conclusion, Bibliography, Appendix

فروغِ تعلیم اور امتِ مسلمہ کے کامیاب مستقبل کے لئے

امام احمد رضا کا دس نکاتی پروگرام

۱۔ عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، با قاعدہ تعلیمیں ہوں۔

۲۔ طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

۳۔ مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں۔

۴۔ طبائع طلبہ کی جانچ ہو، جس کے کام کو زیادہ مناسب دیکھا جائے، معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

۵۔ ان میں جو تیار ہو جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً و مناظرتاً اشاعتِ دین و مذہب کریں۔

۶۔ حمایتِ مذہب و ردِّ مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

۷۔ تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

۸۔ شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں، جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں آپ سرکوبی اعداء کے لئے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

۹۔ جو ہم میں قابلِ کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف دے کر فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو، لگائے جائیں۔

۱۰۔ آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں جو وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ: ''آخر زمانے میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا۔''
اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق ﷺ کا کلام ہے۔

﴾فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد نمبر ۱۲، صفحہ ۱۳۳﴿